فُتُوح الغَیب

معارف و حقائق الٰہیہ کی الہامی دستاویز

مصنّف

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ

مترجم

سیّد محمّد فاروق القادری ایم اے

○

تصوّف فاؤنڈیشن

لائبریری ○ تحقیق و تصنیف و تالیف و ترجمہ ○ مطبوعات

۲۴۹ ر این سمن آباد — لاہور — پاکستان

شوروم : المعارف ○ گنج بخش روڈ ○ لاہور

هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ (القرآن ۶۲:۲)

تزکیہ نفس اور کتاب و حکمت کی تعلیم

بعثت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے مقاصد عظیم تھے!
ان ہی مقاصد کے لیے تصوف فاؤنڈیشن وقف ہے۔

يزكيهم ويعلمهم الكتاب والحكمة

تصوف فاؤنڈیشن

۱۴۱۹ھ

بانی: ابو نجیب حاجی محمد ارشد قریشی

کلاسیک کُتبِ تصوّف ○ سلسلۂ اُردو تراجم

ناشر : ابونجیب حاجی محمد ارشد قریشی
بانی تصوف فاؤنڈیشن ۔ لاہور

طابع : زاہد بشیر پرنٹرز ۔ لاہور

سالِ اشاعت : ۱۴۱۹ھ — ۱۹۹۸ء

قیمت : ۷۵ روپے

تعداد : پانچ سو

واحد تقسیم کار : المعارف ۔ گنج بخش روڈ ۔ لاہور ۔ پاکستان

۶ — ۵۰۰ — ۵۰۶ — ۹۶۹ — آئی ایس بی این

تصوف فاؤنڈیشن ابونجیب حاجی محمد ارشد قریشی اور ان کی اہلیہ نے اپنے مرحوم والدین اور لختِ جگر کو ایصالِ ثواب کے لئے بطور صدقہ جاریہ اور یادگار یکم محرم الحرام ۱۴۱۹ھ کو قائم کیا جو کتاب و سنّت اور سلفِ صالحین و بزرگانِ دین کی تعلیمات کے مطابق تبلیغِ دین اور تحقیق و اشاعت کُتبِ تصوف کے لیے وقف ہے۔

May Allah Subhanahu Wa Ta'ala Bless the Parents and Parents in-law of

Mohtram Abu Najeeb Haji Muhammad Arshad

for bringing out such a marvel translation of beautiful writtings

from

Qutbul Aqtaab,Syyedus Saadaat,Sheikhul_Mashaikh, Ghouse Samadaani,

Mahboob Subhaani, Sulatanul_Aulia, Abu Muhammad, Al-Syed Sheikh

Mohayyuddin Abdul Qadir Al-Gillani , Radhi_Allahu Anhu

گیارہ اسماءِ پاک حضرت غوث الاعظمؒ

سیّد محی الدین امرُ اللّٰہ

شیخ محی الدین فضلُ اللّٰہ

اولیاء محی الدین امانُ اللّٰہ

مِسکین محی الدین نورُ اللّٰہ

غوث محی الدین قطبُ اللّٰہ

سُلطان محی الدین سیفُ اللّٰہ

خواجہ محی الدین فرمانُ اللّٰہ

مخدوم محی الدین برہانُ اللّٰہ

درویش محی الدین آیتُ اللّٰہ

بادشاہ محی الدین غوثُ اللّٰہ

فقیر محی الدین مشاہدُ اللّٰہ

ترتیبِ مقالات

پیش لفظ

یُوں تو شخصیات کو پرکھنے کے دنیا میں کئی پیمانے ہیں مگر شہرتِ عام اور مقبولیتِ انام ایک ایسا پیمانہ ہے جس کے ذریعے گردشِ ایام اور انقلاباتِ عالم کو سامنے رکھتے ہُوئے ہم کسی بھی شخصیت کو بآسانی جانچ سکتے ہیں۔ علماء و مشائخ، ادباء و شعراء، سلاطین و ملوک اور اربابِ فنون میں سے کئی لوگ آسمانِ شہرت کا ستارہ بن کر چمکے اور دنیا پر چھا گئے لیکن وقت گزرنے کے ساتھ آہستہ آہستہ ان کی وہ شہرت گھٹتی چلی گئی، البتہ ان میں سے بعض ایسی نامور ہستیاں اور قد آور شخصیتیں ہو گزری ہیں کہ اپنے علم و عمل اور گرانقدر خدمات کی بناء پر لوگوں کے دلوں میں وقت کے ساتھ ساتھ ان کی محبت و عقیدت بڑھتی جاتی ہے، اس نکتۂ نگاہ سے اگر دیکھا جائے تو صوفیاء و مشائخ کے تمام سلاسل میں سب سے پہلے جس عظیم ہستی پر نگاہ پڑتی ہے وہ قطب الاقطاب شیخ شیوخ العالم محبوب سبحانی غوث صمدانی سید عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی ذاتِ گرامی ہے کہ جن کی عظمت، اور عوام و خواص کے دلوں میں محبت و عقیدت، نو سو سالہ طویل عرصے کے حوادثات اور انقلابات کے باوجود قائم و دائم ہے، بلاشبہ یہی وہ عظیم لوگ ہیں جن کی محبت و عظمتوں کے جھنڈے انسانی قلوب میں گڑے ہُوئے ہیں اور جن کی رفعتوں کے افسانے آفتاب و ماہتاب کی زبانوں پر ہیں

ع خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

ابتدائی حالات

اسمِ گرامی عبدالقادر، کنیت ابو محمد، اور لقب محی الدین قرار پایا، زبانِ خلق نے غوثِ اعظم، محبوبِ سبحانی، قطب ربانی اور پیرانِ پیر ایسے القابات نذر گزارے جو اپنی واقعیت اور حقیقت کی بناء پر ایک طرح کا نام ہو گئے، آپ ۴۷۰ھ اور ایک روایت میں ۴۷۱ھ میں طبرستان کے نواحی قصبے جیلان میں پیدا ہُوئے اسی کو گیل اور گیلان بھی کہتے ہیں، بعض محققین کے مطابق جیلان یا گیلان سارے علاقے کا نام تھے جس میں کئی قصبے شامل ہیں ان کے نزدیک آپ کی پیدائش قصبۂ نیعت" میں ہُوئی[2]

---

[1] بہجۃ الاسرار مولفہ الشیخ نورالدین ابوالحسن علی بن یوسف الشافعی مطبوعہ مصر؛ ۸۸
اخبار الاخیار شیخ عبدالحق محدث دہلوی مطبوعہ مجتبائی دہلی: ۹

[2] بہجۃ الاسرار؛ ۸۸، ۸۹

نسبی سیادت دونوں طرف سے حاصل تھی والد گرامی کی طرف سے سلسلۂ نسب سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ تک پہنچتا ہے اور والدہ ماجدہ کی طرف سے سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ تک۔ گویا آپ کا سلسلۂ نسب سلسلۃ الذہب ہے نسب عالی یوں ہے محی الدین ابو محمد عبدالقادر بن ابی صالح جنگی دوست[1] موسیٰ بن ابی عبداللہ بن یحییٰ الزاہد بن محمد بن داؤد بن موسیٰ بن عبداللہ بن موسیٰ الجون بن عبداللہ المحض بن الحسن المثنیٰ بن الحسن بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہم منقول ہے کہ رمضان المبارک میں دن کے وقت دودھ نہیں پیتے تھے۔ چنانچہ یہ بات عام مشہور ہو گئی کہ سادات کے گھرانے میں ایک ایسا بچہ پیدا ہوا ہے جو رمضان میں دن کے وقت دودھ نہیں پیتا[2]۔ ابتدا ہی سے پیشانی مبارک سے رشد و ہدایت کے آثار ہویدا تھے، سب سے پہلے قرآن مجید حفظ کیا اور پھر دوسرے اسلامی علوم کی تحصیل میں مشغول ہو گئے۔ اٹھارہ برس کی مختصر عمر میں وطن مالوف کو خیرباد کہہ کر وقت کے مشہور علمی مرکز بغداد کا رخ کیا، والدہ ماجدہ نے رخصت ہوتے وقت چالیس دینار کی تھیلی ہاتھ میں تھماتے ہوئے نصیحت کی کہ راستی و صدق کسی حال میں نہ چھوڑنا، راستہ میں قافلہ پر ڈاکوؤں نے حملہ کیا ہر شخص مال چھپانے جان بچانے کی فکر میں ہوا مگر اس سعادت مند فرزند اور اللہ کے برگزیدہ بندے نے صاف صاف اپنی مالیت بیان کر دی ڈاکو راستبازی اور دیانت کی اس کرامت پر دنگ رہ گئے اور تائب ہو کر داخل بیعت ہوئے[3] بغداد پہنچ کر اپنے دور کے نامور اور ماہر اساتذہ سے آپ نے علوم و فنون کی تکمیل فرمائی بعض روایات کے مطابق مشہور اسلامی یونیورسٹی نظامیہ میں بھی زیر تعلیم رہے۔ فطری صلاحیت اور علمی ماحول نے سونے پر سہاگے کا کام کیا اور تھوڑے ہی عرصے میں آپ ایک جید عالم دین اور نامور بزرگ کے طور پر معروف ہو گئے۔

آپ کا علمی مقام

بغداد ہی میں مسند درس و تدریس اور افتاء پر متمکن ہوئے صبح و شام دونوں وقت تفسیر، حدیث، مذہب، اخلاقیات، اصول اور نحو کا درس آپ کا معمول تھا، جلد ہی آپ کے علمی تبحر اور فتویٰ نویسی کی دھاک بیٹھ گئی۔ آپ امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہما کے مسلک پر فتوے دیتے تھے۔ بعض حضرات کے خیال میں ابتداً آپ شافعی المسلک تھے

---

[1] آپ جنگجو اور مجاہد تھے اس لیے جنگی دوست کے لقب سے مشہور ہوئے آپ کا اسم گرامی موسیٰ ہے، بعض حضرات نے یہ دو مختلف نام سمجھے ہیں جو غلط ہے۔ [2] طبقات الکبریٰ شیخ عبدالوہاب الشعرانی ج ۱ : ۱۰۸ مطبوعہ مصر

[3] اخبار الاخیار شیخ عبدالحق محدث دہلوی مطبوعہ مجتبائی : ۱۶ [4] تصوف اسلام مولانا عبدالماجد دریا بادی مطبوعہ ال... : ۸۰

جبکہ آخری عمر میں حنبلی مکتبِ فکر کی طرف میلان زیادہ ہو گیا تھا[1]۔ چنانچہ آپ کی ذاتِ گرامی مرجع الکل اور امام العلماء کی حیثیت اختیار کر گئی، اطراف واکناف کے علاوہ عالمِ اسلام کے دور دراز مقامات سے تشنگانِ علوم کھچے چلے آنے لگے، عراق کے علماء تمام مشکل مسائل میں آپ ہی کی طرف رجوع کرتے چنانچہ بیسیوں ایسے مسائل جن کے حل میں علمائے وقت پریشان تھے آپ کی بارگاہ سے حل ہوئے۔ ایک دفعہ ایک شخص نے قسم اٹھائی کہ "اگر میں تنہا ایسی عبادت نہ کروں جو میرے بغیر اس وقت روئے زمین پر کوئی نہ کر رہا ہو تو میری بیوی کو طلاق ہو"۔ علماء کے سامنے یہ مسئلہ پیش ہوا تو وہ حیران و پریشان ہوئے بالآخر حضرت غوثِ اعظم کی خدمت میں یہ سوال پیش کیا گیا آپ نے فرمایا: "وہ شخص مکہ مکرمہ جائے اور مطاف خالی کرا کر طواف کرے" یہ جواب سُن کر سارے علماء سرنگوں ہو گئے اور پکار اُٹھے سبحان من انعم علیہ۔ ایک دفعہ مجلس مبارک میں ایک قاری نے قرآن مجید کی ایک آیت تلاوت کی۔ آپ نے اس آیت کی تفسیر شروع کی چنانچہ آپ نے گیارہ ایسی مختلف تفسیریں بیان فرمائیں جو حاضرین سمجھتے رہے اس کے بعد آپ نے وہ تفسیر شروع کی جسے سامعین سمجھنے کی طاقت نہ رکھتے تھے۔ اس آیت کی چالیس مختلف تفسیریں اس انداز سے بیان فرمائیں کہ ہر تفسیر مدلل اور ہر ایک کی اس طرح تشریح کی کہ سامعین عش عش کر اُٹھے اس کے بعد فرمایا اب ہم قال سے حال کی طرف آتے ہیں یہ سنتے ہی مجمع میں آہ و بکا کا وہ شور اٹھا کہ کسی کو تن بدن کا ہوش نہ رہا[2]۔

آپ کا اپنا بیان ہے کہ "ایک دفعہ میں صحرائے عراق میں عبادت میں مشغول تھا میں نے دیکھا کہ آسمان سے زمین تک نور پھیل گیا ہے یکایک اس میں سے آواز آئی: عبدالقادر! میں تیرا پروردگار ہوں میں نے ساری حرام چیزیں تیرے لیے حلال کر دی ہیں۔ میں نے لاحول ولا قوۃ پڑھ کر کہا: دور ہو اے لعین! اتنے میں وہ روشنی تاریکی سے بدل گئی اور آواز آئی: تو اپنے علم کی وجہ سے مجھ سے بچ گیا ہے ورنہ میں اس طرح ستر کاملوں کو گمراہ کر چکا ہوں"[3]۔

مسندِ رشد و ہدایت

اہل تذکرہ کے مطابق آپ کی نسبت ارادت براہِ راست سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے تھی اور انوار وفیوض کا نزول بھی براہِ راست

---

[1] تاریخ مشاہیر اسلام قاضی سلیمان منصور پوری: ۸۱

[2] اخبار الاخیار: ۱۱

[3] بہجۃ الاسرار: ۱۲

خواجہ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہوتا تھا[1] تاہم ظاہری طور پر آپ نے قاضی ابو سعید مبارک مخزومیؒ[2] سے نسبت قائم کی اور خرقۂ خلافت حاصل کیا، ان کے علاوہ شیخ حمادؒ، شیخ ابو یوسفؒ اور یعقوب ہمدانیؒ کی صحبت میں بھی رہے شیخ حماد شیخ صحبت تھے آپ کا ظاہری سلسلۂ ارشاد اس طرح ہے آپ نے خرقہ مبارکہ قاضی ابو سعید مبارک مخزومیؒ سے انھوں نے شیخ ابو الحسن علیؒ بن محمد القرشی سے انھوں نے ابو الفرح طرطوسیؒ سے انھوں نے ابو الفضل عبد الواحد التمیمیؒ سے انھوں نے ابو بکر الشبلیؒ سے انھوں نے ابو القاسم جنید بغدادیؒ سے انھوں نے سری سقطیؒ سے انھوں نے معروف کرخیؒ سے انھوں نے داؤد طائیؒ سے انھوں نے حبیب عجمیؒ سے انھوں نے حسن بصریؒ سے انھوں نے امیر المومنین علی مرتضیٰؓ سے انھوں نے مرشدِ کل آقا و مولیٰ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل کیا۔ حضرت غوثِ اعظم سے پوچھا گیا کہ وہ کون سی چیز ہے جسے آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بارگاہِ الوہیت سے حاصل کیا، اور آگے مشائخ آپ سے حاصل کرتے رہے؟ فرمایا: علم اور ادب[3]۔ ابو الفتح ہروی کا بیان ہے کہ میں نے پورے چالیس سال حضرت غوثِ اعظم کی خدمت میں گزارے آپ یہ سارا وقت عشاء کے وضو سے فجر کی نماز ادا فرماتے رہے۔

آپ کا اپنا بیان ہے کہ میں نے پچیس[25] برس کا طویل عرصہ عراق کے ویرانوں اور بیابانوں میں گزارا، نہ لوگ مجھے جانتے تھے اور نہ میں لوگوں کو! معمول تھا کہ عشاء کی نماز کے بعد پورا قرآن مجید ختم فرماتے، انہی مجاہدات اور ریاضتوں کے بعد آپ اس مقام پر فائز ہو گئے جو اس راہ کا آخری مقام یعنی "درجہ محبوبیت" ہے چنانچہ آپ ارشاد و تلقین، رشد و ہدایت اور وعظ و نصیحت کے منبر پر جلوہ فگن ہوئے آپ کے وعظ سلوک و معرفت شریعت و طریقت اور فیوض و انوارِ الوہیت کا مظہر و سرچشمہ ہوتے۔ تھوڑے ہی عرصے میں ہزاروں کی تعداد میں لوگ ان نورانی مجلسوں میں شریک ہونے لگے اور حاضرین کی تعداد ستر ہزار تک ہوا کرتی تھی[4]، جن میں مشائخ عصر، علمائے دین، مفتیانِ کرام اور رجال الغیب بھی شامل ہوتے جب آپ کرسی پر رونق افروز ہوتے تو آپ کی ہیبت کا یہ عالم ہوتا کہ حاضرین میں سے کوئی شخص ادھر ادھر نہ دیکھتا نہ لعابِ دہن پھینکتا بلکہ تمام لوگ محو ہوتے، آپ کی اس پاکیزہ محفل میں بیک وقت چار چار سو قلم دوات آپ کی تقریر لکھ رہے ہوتے تھے[5] اور کئی دفعہ ایسا اتفاق ہوا کہ کئی پروانے حقائق و معرفت کے

---

[1] تصوف اسلام: ۹۰ [2] المخزومی یہ بغداد کے محلے مخرم کی طرف نسبت ہے جہاں یزید بن مخرم کی اولاد میں سے کچھ لوگ رہتے تھے معلوم نہیں عام کتابوں میں یہ مخزومی کیونکر بن گیا ہے (س م ق) [3] بہجۃ الاسرار: ۹۴ [4] اخبار الاخیار: ۱۲۰

ان رموز کی تاب نہ لاتے ہوئے دورانِ وعظ جامِ شہادت نوش کر گئے[1] آپ کے ہر وعظ میں جہاں سینکڑوں کی تعداد میں چور، ڈاکو اور دُوسرے بدقماش لوگ تائب ہوتے وہاں ہزاروں غیر مسلم یہودی، نصرانی اور مجوسی کلمہ طیبہ پڑھ کر حلقہ بگوشِ اسلام ہوتے، آپ کی تقاریر کا بنیادی فلسفہ کتاب وسنّت کی پیروی، تعلق باللہ، توکّل، مخلوق سے بے نیازی، ذکرِ خدا اور محبوبانِ بارگاہ بالخصوص مرشدِ کل آقا و مولیٰ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی سے نسبت کی استواری ہے چنانچہ فرماتے ہیں:

> "بارگاہِ الوہیت کی طرف کتاب وسنّت کے پروں سے پرواز کرو اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دو! آپ کی ذاتِ گرامی کو اپنا وزیر اور معلّم بناؤ! وہی عالمِ ارواح کے حاکم، مریدوں کے مربّی، مرادوالوں کی مراد، نیکوکاروں کے امیر اور احوال ومقامات کے تقسیم کنندہ ہیں کیونکہ اللہ نے یہ چیزیں ان کے حوالے کر کے اُنھیں سب کا امیر بنا دیا ہے۔"[2]

یُوں تو تقریباً سب مشائخ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ کرامات اور خرقِ عادات کے لحاظ سے آپ کا کوئی ثانی نہیں، امام عبداللہ یافعی کا بیان ہے کہ آپ کی کرامات کی تعداد حدو شمار سے باہر ہے[3] لیکن آپ کی مجلسِ وعظ تو بالخصوص کرامات کے ظہور کا مرکز اور ایک بہت بڑا ذریعہ تھی، چنانچہ آپ کی مجلسِ وعظ میں تمام انبیائے کرام، اولیائے عظام کی آمد بلکہ تربیت وتعلیم کے لیے خود سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری بھی متعدد بار ہوئی ہے[4] روایت ہے کہ ایک مرتبہ آپ وعظ فرما رہے تھے کہ اچانک کرسی سے خلا میں تشریف لے گئے اور فرمانے لگے ٹھہریئے اے اسرائیلی! محمدی کی بات سُنتے جائیے! واپسی پر پُوچھا گیا تو فرمایا کہ خضر علیہ السلام تیزی سے ہماری مجلس سے گزر رہے تھے ہم نے بڑھ کر اُنھیں روکا کہ ہماری باتیں سُن کر جائیے[5]

روحانی مرتبہ آپ کے رُوحانی مرتبے کے سلسلے میں یہ بات بجائے خود بڑی اہم ہے کہ آپ کے معاصرین اور بعد میں آنے والے ہر سلسلے کے مشائخ وصوفیا نے آپ کے حضور اپنے اپنے مقام پر گلہائے عقیدت پیش کیے ہیں اور آپ کے ساتھ انتساب اپنے لیے باعثِ افتخار سمجھا ہے، آپ صدیقیت کے اُس مقام پر فائز تھے جہاں انسان فنا فی اللہ ہو کر لامحدود ہو جاتا ہے اور دنیا اپنی وسعتوں سمیت

---

[1] بہجۃ الاسرار: ۹۵ [2] الفتح الربانی مطبوعہ مصر: ۹۷ [3] تصوف اسلام: ۸۰ [4] اخبار الاخیار: ۱۳ [5] ایضاً

اسکے سامنے ذرۂ حقیر اور محکوم ہو کر رہ جاتی ہے، چنانچہ آپ کا ارشاد ہے کہ "جو شخص میرے مدرسے کے دروازے سے گزرے گا اس پر روزِ محشر عذاب میں تخفیف ہو گی"[1]۔ اسی طرح فرماتے ہیں کہ "سورج، سال، ماہ اور دن اپنے آغاز میں مجھے سلام کرتے ہیں اور اپنے اندر ہونے والے تمام واقعات کی مجھے اطلاع دیتے ہیں، میں تمام نیک اور بد لوگوں سے باخبر ہوں، میری آنکھیں لوحِ محفوظ پر لگی ہوئی ہیں"[2]۔ شیخ ابوالقاسم کا بیان ہے کہ آپ نے فرمایا "جو شخص مجھے تکلیف میں پکارے میں اس کی تکلیف دُور کرتا ہوں، جو رنج و مصیبت میں مجھے فریاد کرے اور میرے نام کی دُہائی دے میں اس کی مدد کرتا ہوں اور جو شخص بارگاہِ الٰہی میں میرے واسطے سے اپنی حاجت طلب کرے اس کی وہ حاجت پوری ہو جاتی ہے"[3]۔ منقول ہے کہ جب آپ شہر سے گزرتے تو ہزاروں لوگ دست بستہ اپنی حاجتیں لیے منتظر کھڑے ہوتے، یہی وہ عظیم مرتبہ ہے جس کی بنا پر آپ نے ایک دفعہ دورانِ وعظ فرمایا قدمی ھٰذہٖ علیٰ رقبۃ کل ولی اللہ اس وقت محفل مبارک میں عراق کے پچاس عظیم المرتبت ولی موجود تھے ان میں چند ایک کے نام یہ ہیں: شیخ علی بن الہیتی، شیخ بقا بن بطو، ابو سعید القیلوی، ابو النجیب السہروردی، الشہاب عمر السہروردی، ابوالبقا البقال، ابو حفص الکیمانی، ابو محمد الیعقوبی، ابو محمد الحریمی۔

شیخ ماجد الکردی کا بیان ہے کہ اس فرمان پر روئے زمین کا کوئی ایسا ولی نہیں تھا جس نے اپنی گردن نہ جھکا لی ہو[4]۔ تحدیث نعمت کے طور پر اپنے مقام کی طرف خود اپنے مشہور قصیدۂ غوثیہ میں یُوں اشارہ کرتے ہیں: ؎

واطلعنی علیٰ سرٍّ قدیم	وقلدنی واعطانی سوالی
وولّانی علی الاقطاب جمعاً	فحکمی نافذٌ فی کل حالٍ
انا البازی اشہب کل شیخ	ومن ذا فی الرجال اعطیٰ مثالی
طبولی فی السّماء والارض دقت	وشاوس السعادۃ قد بدا لی
نظرت الیٰ بلاد اللہ جمعاً	فخردلۃٍ علیٰ حکم اتصالی
وکل ولیٍ لہ قدمٌ وانی	علیٰ قدم النبی بدر الکمالی[5]

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے اخبار الاخیار میں آپ کا نام نامی یوں لیا ہے، قطب الوقت،

---

[1] قلائد الجواہر: ۱۵ الشیخ محمد بن یحییٰ التادفی الحنبلی مطبوعہ مصر [2] ایضاً: ۲۲ [3] ایضاً: ۳۶ [4] ایضاً، اخبار الاخیار: ۱۰
[5] قصیدہ غوثیہ مطبوعہ نوری کتب خانہ: ۴۵، ۴۶

سلطان الوجود، امام الصدیقین، حجۃ العارفین، روح المعرفۃ، قلب الحقیقۃ، خلیفۃ اللہ فی ارضہ ووارث کتابہ ونائب رسولہ، الوجود البحت، والنور الصرف، سلطان الطریق، والمتصرف فی الوجود علی التحقیق رضی اللہ عنہ۔

آپ کے روحانی مقام اور فضائل وکمالات کی طرف جب نگاہ اٹھتی ہے تو مجبوراً یہی فیصلہ کرنا پڑتا ہے کہ ؎

لسان النطق عنہ اخرس

آپ کا طریق تصوّف

جو لوگ بلا سوچے سمجھے تصوف کو عجمی پودا قرار دیتے ہیں، انہیں چاہیئے کہ حضرت غوث اعظم کی تصنیفات بالخصوص فتوح الغیب کا مطالعہ کریں اور اندازہ لگائیں کہ اسلامی تصوف اور عجمی تصوف میں کتنا فرق ہے، آپ کا طریق ان امور پر مشتمل تھا تفویض وتسلیم، قلب وروح کی موافقت، ظاہر وباطن کا اتحاد، صفاتِ بشری سے چھٹکارا، نفع ونقصان اور قرب وبعد سے بے نیازی، تمام حالات میں ثبوت مع اللہ، تجرید توحید اور توحید تفرید، جس کے ساتھ مقام عبودیت میں حضور ہو اور عبودیت کمالِ ربوبیت سے مستفید ہو، ہر لمحے کتاب وسنت کی پابندی، اتباعِ شریعت اور اسرارِ حقیقت کا مشاہدہ[1]۔ آپ کی پاکیزہ زندگی سنت وسیرتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی جیتی جاگتی تصویر تھی فتوح الغیب کی ایک ایک سطر میں اتباعِ سنت، پیروی شریعت، صبر، اخلاص، زہد، توکل اور تقدیر پر رضامندی کی دعوت ہے، آپ کی تصنیفات میں فلسفیانہ موشگافیوں کے برعکس حقائق کو فطری زبان میں بیان کیا گیا ہے، ان میں دلوں کے لیے اپیل اور دماغوں کے لیے کشش ہے، آپ کی تصانیف میں دلائل نہیں بلکہ نتائج کا بیان ہے، آپ نے سماع کے قسم کی کوئی چیز نہیں سُنی[2] بلکہ ذکرِ خداوندی اور اتباعِ سنت سے وہی کام لیا جو دوسرے مشائخ سماع وغیرہ سے لیتے ہیں۔

باقیات صالحات

باقیات کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو بڑی برکت دی، آپ کی معنوی اور روحانی اولاد کا سلسلہ جتنا وسیع ہے صلبی اور نسبی اولاد بھی اسی طرح پورے عالمِ اسلام میں پھیلی ہوئی ہے، سلسلہ عالیہ قادریہ جو تمام سلاسل سے بڑا اور

---

[1] اخبار الاخیار: ۱۱
[2] قلائد الجواہر: ۳۵

فوقیت رکھتا ہے کہ پیروکار اسلامی دنیا کے ہر گوشے میں پھیلے ہوئے ہیں قادریہ سلسلہ کی خانقاہیں چپے چپے پر موجود ہیں، اسلام کی تبلیغ اور نشر و اشاعت کے سلسلے میں اس سلسلے کے مشایخ و صوفیا نے اپنے مقتداء و بانیِ سلسلہ کے نقشِ قدم پر گراں قدر خدمات انجام دی ہیں، اور رہتی دنیا تک ان کے یہ کارنامے سنہری حروف سے لکھے جائیں گے، چونکہ حضور غوث اعظم کے فقر و تصوف کی بنیاد اتباع سنت پر شدت کے ساتھ پابندی پر ہے یہی وجہ ہے کہ قادریہ سلسلے کی خانقاہوں میں آج بھی نسبتاً زیادہ دینی اور اسلامی ماحول پایا جاتا ہے، آپ نے چار شادیاں کیں جن سے اللہ تعالیٰ نے کثرت سے اولاد عطا فرمائی، آپ کے جن صاحبزادوں کے نام ہمیں مل سکے وہ یہ ہیں: (۱) سید عبدالوہاب (۲) شیخ عیسیٰ (۳) شیخ ابوبکر (۴) سید عبدالجبار (۵) سید عبدالرزاق (۶) سید ابراہیم (۷) سید محمد (۸) سید یحییٰ (۹) سید عبداللہ (۱۰) سید موسیٰ[1] یہ سارے کے سارے عالم باعمل متقی پرہیزگار اور اپنے والد گرامی کے نقشِ قدم پر کاربند رہے۔ ان کی پاکیزہ زندگیوں کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ شاید یہ محاورہ انہی نفوس قدسیہ کے لیے وضع ہوا ت الولد سرٌّ لابیہٖ، آگے ان کی نسل چلی جس نے ساری دنیا میں آپ کے فیوض و انوار پہنچائے۔

حقیقت یہ ہے کہ آثار اور باقیات کے سلسلے میں یہ بات فی الواقع بہت اہم ہے کہ ہر دور میں لاکھوں انسان اس کے فرمودات و فیوضات کو سینہ بسینہ محفوظ کر کے آگے منتقل کرتے رہیں، تاہم تصانیف کے میدان میں بھی آپ پیچھے نہیں رہے، آپ نے مندرجہ ذیل تصانیف چھوڑیں:

(۱) غنیۃ الطالبین　　(۲) فتوح الغیب

(۳) الفتح الربانی　　(۴) جلاء الخاطر

(۵) الیواقیت والحکم　　(۶) الفیوضات الربانیہ

(۷) حزب بشائر الخیرات　　(۸) المواہب الرحمانیہ[2]

اخلاق و عادات

آپ انتہائی کریم النفس اور وسیع الاخلاق تھے۔ کمزور لوگوں کے ساتھ نشست و برخاست پسند فرماتے، فقراء کی تواضع کرتے، چھوٹوں پر شفقت اور بڑوں کا احترام کرتے، ہمیشہ سلام میں پہل کرتے، لوگوں کی غلطیوں اور لغزشوں سے

---

[1] قلائد الجواہر: ۴۲، ۴۳　[2] تصوف اسلام مولانا عبدالماجد دریابادی، ۸۰ بحوالہ مارگولیتھ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام

درگزر فرماتے، جو بھی آپ کے سامنے جھوٹ بولتا یا غلط بات کرتا اس کی پردہ پوشی فرماتے، ہمیشہ خوش رو رہتے، آپ کی مہمان نوازی ضرب المثل تھی، ہزاروں لوگ دونوں وقت دسترخوان پر کھانا کھاتے لیکن خود اپنے گاؤں کی خالص حلال وطیب آمدنی میں سے خورد و نوش کا انتظام فرماتے، خلفائے وقت اور امراء کے ہاں جانے کی ہرگز عادت نہ تھی، بدکار، فاسق، امراء اور ظالم لوگوں کی تعظیم کے لیے کبھی نہ اُٹھتے، اگر خلیفہ کی آمد ہوتی تو مکان کے اندر تشریف لے جاتے اور خلیفہ کی آمد کے بعد نکلتے تاکہ اسکی تعظیم کے لیے اٹھنا نہ پڑے، اگر خلیفہ یا کسی گورنر کے نام نامہ مبارک کی ضرورت پیش آتی تو یوں تحریر فرماتے کہ "عبدالقادر کا تجھ سے ارشاد ہے اور اس کا ارشاد تجھ پر نافذ ہے"، خلفاء اور حکام والا نامہ کو چوم کر سر آنکھوں پر جگہ دیتے[1] ایک دفعہ جامع مسجد میں آپ کو چھینک آئی تشمیت میں ساری مسجد یرحمك الله کی آواز سے گونج اُٹھی، خلیفہ مستنجد باللہ جو اس وقت مسجد کے محراب میں موجود تھا پریشان ہو گیا اور پوچھنے لگا، یہ کیسی آواز ہے؟ اسے بتایا گیا کہ شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی چھینک کے جواب میں لوگ یرحمك الله سے تشمیت کر رہے ہیں۔

بادشاہوں سے ہدیہ قبول نہیں فرماتے تھے، اس کے علاوہ اگر کوئی تحفہ یا نذرانہ آتا تو اسے قبول کر کے فوراً تقسیم فرما دیتے ایک دفعہ خلیفۂ وقت مستنجد باللہ نے حاضر ہو کر اشرفیوں کے دس توڑے پیش کیے، حسبِ معمول انکار فرمایا، ادھر سے اصرار بڑھا آپ نے ایک توڑا اپنے داہنے ہاتھ اور دوسرا بائیں ہاتھ سے اٹھا کر دونوں کو رگڑا تو اشرفیوں سے خون بہنے لگا، خلیفہ سے ارشاد فرمایا کہ اللہ سے شرم نہیں آتی انسانوں کا خون کھاتے ہو اور اسے جمع کر کے میرے پاس لاتے ہو، راوی کا بیان ہے کہ یہ دیکھ کر خلیفہ بیہوش ہو گیا[2] منقول ہے کہ ایک دفعہ حج کے لیے روانہ ہوئے بغداد سے تھوڑے فاصلے پر ہی منزل کی، علاقے بھر کے علماء اور رؤسا جمع ہو گئے۔ ہر ایک کی خواہش تھی کہ آپ میرے ہاں قیام فرمائیں لیکن آپ نے فرمایا کہ ایسا گھرانہ دیکھو جس سے زیادہ مفلس اور غریب اور کوئی نہ ہو، چنانچہ ایک ایسی بوڑھی مسکین عورت جس کا ضعیف العمر خاوند اور ایک بچی کے علاوہ کوئی نہ تھا کی کٹیا میں اُترے، نذرانوں اور ہدایا کی فتوحات شروع ہوئیں، صبح تک نقد اور جنس کے ڈھیر لگ گئے اور سینکڑوں جانور اکٹھے ہو گئے آپ نے وہ سارا مال و متاع ان

---

[1] تصوف اسلام: ۸۲   [2] ایضاً: ۸۱

ضعیف العمر میاں بیوی کو عطا کر دیا اور چل دیئے! چونکہ آپ دلوں کے کھٹکوں اور بھیدوں پر فوراً مطلع ہو جاتے تھے، اس لیے مجلس مبارک ہیبت ووقار کا مرقع ہوتی، محفل میں کسی کو سوال کرنے یا کچھ مانگنے کی نوبت بہت کم آتی اُدھر دل میں خیال آیا، اِدھر اس پر عمل ہو گیا، وصال مبارک کا مفصل تذکرہ فتوح الغیب کے آخر میں آپ کے صاحبزادے سید عبدالوہاب کی زبانی بیان ہوا ہے اس لیے اس کے دُہرانے کی ضرورت نہیں، کسی اہلِ دل نے آپ کی پیدائش مبارک، عمر اور وصال کو اس شعر میں کس خوبی سے سمویا ہے ؎

سنین کامل و عاشق تولّد
وفاتش داں کہ معشوق الٰہی

(کامل = ۹۱، عاشق = ۴۷۱، معشوق الٰہی = ۵۶۲ھ)

فتوح الغیب اور اس کے تراجم

برصغیر کو سب سے پہلے فتوح الغیب سے شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ (م ۱۰۵۱ھ) نے روشناس کرایا، کیونکہ حضرت محدث دہلوی سے پہلے اس طرف لوگ اس نورانی صحیفے سے بے خبر تھے آپ نے اس کا ایک نسخہ مکہ مکرمہ میں شیخ عبدالوہاب المتقی قادری کے پاس دیکھا واپسی پر ہندوستان میں ایک دُوسرا نسخہ بھی مل گیا چنانچہ آپ نے ارادہ کیا کہ فتوح الغیب کی فارسی شرح اور ترجمہ لکھوں، خود اُن کی زبانی سُنیے:

"جب وطن واپس آیا تو اس کتاب کے مطالعہ سے مشرف ہوا اور مدتوں اس کا ورد اور وظیفہ رکھا اس کے الفاظ ومعانی اور اشارات کی فہم میری قوت اور حوصلے سے بالاتر تھی اور انتساب کتاب کی ہیبت اور ادب مانع تھا کہ میں کچھ غور وفکر کروں ناگاہ رئیس الابدال شاہ ابوالمعالیؒ کی جناب سے مجھے پیغام پہنچا کہ فتوح الغیب کا ترجمہ کرو! خوف وہیبت کی وجہ سے میں اپنے اندر اس کی ہمت نہ پاتا تھا، حتیٰ کہ میں لاہور آپ کی خدمت میں بغرضِ زیارت حاضر ہوا، تو دوبارہ ترجمے کے لیے حکم ہوا، میں نے عذر کیا کہ یہ میری طاقت سے زیادہ ہے سہ بارہ حکم ہوا، ہمت بندھی، ڈر جاتا رہا، تائیدِ غیبی شاملِ حال ہوئی اور

---

[1] تاریخ مشاہیر اسلام: ۹۰

میں نے ترجمے کا آغاز کیا۔[1]

ظاہر بات ہے کہ جہاں شیخ عبدالحق محدث دہلوی ایسے بزرگ ترساں اور ہیبت زدہ ہیں، تو راقم السطور ایسے لوگ کس شمار و قطار میں ہیں کہ وُہ ایسے جلیل القدر سلطان المشائخ کی ترجمانی کا فریضہ انجام دے سکیں! میں فتوح الغیب پر تبصرہ کرنے کی حیثیت میں نہیں ہوں! جو اس کے متعلق کچھ جاننا چاہے وہ اسے پڑھے اور بار بار پڑھے، یہ وہ عظیم کتاب ہے جو انسان کو سینکڑوں کتابوں سے بے نیاز کر کے معارف و حقائق سے مالا مال کر سکتی ہے۔ میرے پاس فتوح الغیب کے چار[2] مختلف نسخے رہے ہیں اور میں نے ایک سال کا پورا عرصہ اس کتاب کے ترجمے میں صرف کیا ہے مختلف نسخوں کے باہمی مقابلے، غور و فکر اور انتہائی احتیاط کے ساتھ یہ فریضہ انجام دیا ہے ایسی کتابوں کے تراجم میں جو دقتیں پیش آتی ہیں اہل علم ان سے بخوبی واقف ہیں ترجمے میں متن کو مقدم رکھ کر اردو زبان و محاورے کی کافی رعایت برتی گئی ہے اس کے باوجود اگر کہیں میں حضرت غوثیت مآب کی ترجمانی کا فریضہ صحیح انجام نہیں دے سکا یا لغزش کھا گیا ہوں تو یہ میری اپنی کوتاہی اور بے علمی ہے وما توفیقی الا باللہ العظیم۔

سید محمد فاروق القادری ایم۔ اے۔
خانقاہ غوثیہ شاہ آباد شریف گڑھی اختیار خاں
۲۰ شعبان ۱۳۹۴ھ

---

[1] مقدمہ فتوح الغیب مطبوعہ لاہور [2] ۱۔ مطبوعہ مکتبہ مصطفیٰ البابی الحلبی و اولادہ مصر ۱۹۶۰ء

۲۔ مطبوعہ عبدالحمید احمد حنفی شارع المشہد الحسینی مصر ۱۳۵۶ھ ۳۔ فتوح الغیب مترجم مع متن ترجمہ سید سکندر شاہ ۱۹۲۹ء ۴۔ فتوح الغیب مع شرح شیخ عبدالحق محدث دہلوی مطبع مجتبائی دہلی

(۱) صفاتِ مومن

ہر مومن کے لیے تمام حالات میں تین چیزوں پر کاربند رہنا ضروری ہے۔ پہلے احکاماتِ خداوندی کی تعمیل کرے، دُوسرے تمام ناپسندیدہ امور سے اجتناب کرے اور تیسرے جو کچھ بارگاہِ رب العزت سے مقدر ہے اس پر راضی رہے، ایک مومن کی ادنیٰ کیفیت یہ ہے کہ وہ کسی بھی حال میں مذکورہ تینوں امور کو اپنے ہاتھ سے نہ جانے دے، اپنے قلب کو پُوری طرح اس طرف متوجہ رکھے، اپنے نفس سے انہی باتوں کی گفتگو کرے، اور تمام حالات میں اپنے اعضاء و جوارح کو انہی امور کی بجاآوری میں مشغول رکھے۔

(۲) راہِ نجات

سنتِ نبوی کی پیروی کرو، بدعات میں نہ پڑو۔ خدا اور اس کے رسُول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرو۔ ان کے فرمودات سے باہر قدم نہ رکھو۔ اللہ تعالیٰ کو ایک جانو، اس کے ساتھ شریک مت ٹھہراؤ، اس کی پاکیزگی پر ایمان رکھو اس پر تہمتیں نہ دھرو، اس کی تصدیق کرو اور شک کو راہ نہ دو۔ صبر اختیار کرو۔ دل برداشتہ مت ہو۔ ثابت قدم رہو، پیچھے نہ ہٹو۔ اسی سے سوال کرو اور رنجیدہ خاطر ہونے کی بجائے انتظار کرو۔ رحمتِ خداوندی کے امیدوار رہو، ناامید مت ہو۔ عبادت میں اکٹھے رہو منتشر نہ ہوجاؤ، باہمی محبت وخلوص روا رکھو، اور ایکدوسرے کے لیے دل میں غصہ پیدا نہ ہونے دو۔ اپنے دامن کو گناہوں سے داغدار ہونے سے بچاؤ اور اپنے رب کی اطاعت سے خود کو آراستہ کرو، اس کے درِ فیض سے دوری اختیار نہ کرو، اور

نہ ہی اس کی طرف متوجہ ہونے سے جی چراؤ۔ بارگاہِ خداوندی میں توبہ کرنے اور اپنے گناہوں کی معافی چاہنے میں رات ہو یا دن ہرگز تاخیر نہ کرو، اور نہ ہی اس سلسلے میں ملول ہو، شاید رحمتِ خداوندی کا سایہ تمھیں اپنی پناہ میں لے لے، اور جہنم کے بھڑکتے شعلوں سے نجات پا کر خوش وخرم جنت کی مسرتوں سے شادکام ہوجاؤ، اور تمھیں وصالِ خدا حاصل ہوجائے اور اس جائے امن و سکون میں تجھے طرح طرح کی نعمتوں سے نواز دیا جائے اور تمھیں یہ انعامات سدا حاصل رہیں وہاں تمھیں بہترین سواریاں، خوب صورت حوریں، عطریات اور خوش آوازی جیسی نعمتیں میسر ہوں گی اور تمھیں جنت میں انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین کے ہمراہ مقامِ علیین سے مشرف کیا جائیگا۔

(۳) آغاز و انجامِ مومن

جب بندہ کسی مصیبت میں مبتلا ہوجاتا ہے تو اس سے چھٹکارا پانے کے لیے پہلے وُہ اپنی سی سعی کرتا ہے، اگر اس طرح نجات نہیں پاتا تو دُوسروں مثلاً بادشاہوں، حکام اور دنیاداروں سے مدد طلب کرتا ہے اور اگر بیمار ہو تو دُکھ درد سے نکلنے کی خاطر معالجوں سے رجوع کرتا ہے۔ اگر یہ بھی اس کو نجات نہ دلا سکیں تو وہ اپنے رب ذوالجلال کے حضور میں گڑگڑا کر دُعا کرتا ہے۔ الغرض جب تک وہ خود اپنی مشکل سے نجات پا سکتا ہے، اس وقت تک دوسرے لوگوں سے مدد طلب نہیں کرتا اور جب تک مخلوق سے اس کی مقصد بر آری ہوتی رہے وُہ اپنے خالق کی طرف توجہ نہیں کرتا، جب خالق بھی اس کو نجات نہ دے تب وہ اس کے در پر دائم پڑا ہوا آہ وزاری کرتا رہتا ہے اور سدا اسی سے اُمیدِ رحمت باندھے ہُوئے خوف و رجاء کی کیفیت سے دوچار رہتا ہے۔ جب اس پر بھی خدائے بزرگ و برتر اُس کی دعا کو قبولیت نہیں بخشتا تو وہ تمام ظاہری اسباب سے ناطہ توڑ بیٹھتا ہے۔ ایسے میں اس پر قضا و قدر کا عمل جاری ہوجاتا ہے جو اسے تمام اسباب و علائق سے بے نیاز کر دیتا ہے۔ اس کے بعد وہ خود مٹ جاتا ہے اور رُوح باقی رہ جاتی ہے وہ جو کچھ دیکھا کرتا ہے، اسے فاعلِ حقیقی ہی کا عمل سمجھتا ہے اور اس طرح وہ توحیدِ کامل کے مقام پر فائز ہوجاتا ہے، الغرض وہ یہ یقین کر لیتا ہے کہ فاعلِ حقیقی صرف ذاتِ خداوندی ہے اور ہر حرکت و سکون اسی کی مشیئت کے تابع ہے خیر و شر، سُود و زیاں

اور جود و سخا اسی کے ہاتھ میں ہے۔ اسی طرح بسط و کشاد، موت و حیات، عزت و ذلت اور غربت و ثروت اسی کے قبضہ قدرت میں ہے ایسی صورت میں بندہ خود کو دستِ قضا و قدر میں اس طرح جملہ اختیارات بشری سے عاری پاتا ہے جیسے دایہ کے ہاتھوں میں طفلِ شیر خوار۔ غسال کے ہاتھوں میں میّت اور چوگان سوار کے سامنے گیند، بالکل اسی طرح بندہ اپنے طور پر کوئی حرکت نہیں کر سکتا اور نہ ہی کسی دوسری چیز کو حرکت میں لا سکتا ہے، بلکہ اُسے تو خود ایک حالت سے دوسری حالت، ایک صفت سے دوسری صفت اور ایک وضع سے دوسری وضع میں تبدیل کیا جاتا ہے وہ تو اپنے مالکِ حقیقی کے حکم کا تابع اور اپنے آپ سے بے خبر ہوتا ہے اور اُس کی حالت یہ ہو جاتی ہے کہ اپنے رب کے حکم اور ذات کے سوا نہ کچھ اور دیکھتا ہے نہ سمجھتا ہے، وہ دیکھتا ہے تو اسی کی نگاہِ قدرت سے اور جو کچھ بھی سنتا یا جانتا ہے وہ اسی کا کلام اور علم ہوتا ہے وہ اس کی نعمت سے سرفراز، اس کی قربت سے سعادت مند، اس کی نزدیکی سے آراستہ و مشرف، اس کے وعدے پر شاداں، اس سے مطمئن، اس کی گفتگو سے مانوس اور غیر کی باتوں سے بیزار ہوتا ہے، وہ اس کے ذکر کا طالب، اس کی پناہ کا چاہنے والا، اس سے استحکام پانے والا، اس پر توکل کرنے والا، اس کے نورِ معرفت سے ہدایت یافتہ، اس کے جامۂ نور میں ملبوس، اس کے عجیب و غریب علوم کا جاننے والا اور اس کی قدرت کے اسرار و رموز سے باخبر ہوتا ہے۔ بندہ ذاتِ حق ہی سے سنتا اور یاد رکھتا ہے، یہاں تک کہ اپنے رب کی ان عطا کردہ نعمتوں پر اس کی حمد و ثنا کرتا ہے اور شکر بجا لاتے ہوئے دعا میں مشغول رہتا ہے۔

(۴) فنائے خواہشات کا ثمرہ

جب تو مخلوق کے تمام احوال سے اس طرح کٹ جائے کہ گویا تو ان کے لیے مر گیا ہے تو تجھے ذاتِ حق کی جانب سے یہ القاء کیا جائے گا کہ خدا نے تجھے اپنی رحمت کی آغوش میں لے لیا ہے اور تجھے تمام نفسانی خواہشات سے بے نیاز کر دیا ہے، جب تو خواہشاتِ نفس سے اپنا رابطہ منقطع کرے تو تجھے پردۂ غیب سے یہ الہام ہوگا کہ تیرے رب نے اپنی رحمت سے نوازتے ہوئے تجھے تیرے ارادے اور آرزو سے بھی مبرا کر دیا ہے۔ جب تو اپنے ارادے اور

آرزو سے بھی ناطہ توڑ بیٹھے تو تجھے اپنے رب سے یہ مژدہ سنایا جائے گا کہ اس نے تجھے اپنی رحمت سے مشرف کر کے حیاتِ جاوداں بخش دی ہے، الغرض جس وقت (تو) اپنے ارادے و آرزو سے خود کو بالا کر دے تو تجھے ایک ایسی زندگی بخش دی جائے گی کہ جس کے بعد کوئی موت نہیں، تجھے ایسی تونگری عطا کی جائے گی جس کے بعد کوئی افلاس نہیں ہوگا، تجھے بخشش و عطا کی ایسی دولت سے مالا مال کیا جائے جو ہمیشہ باقی رہے گی، تجھے ایسی مسرتوں سے ہمکنار کیا جائے گا کہ ان کے بعد غم و الم کا نشان تک باقی نہیں رہے گا، تجھے ایسے نازِ نعمت سے مالا مال کیا جائے گا کہ اس کے بعد کوئی محنت و سختی نہ ہوگی، تجھے علم کی وہ لازوال دولت بخش دی جائے گی کہ اس کے بعد ساری جہالتیں کافور ہو جائیں گی اور تجھے اس طرح مامون و مصئون کر دیا جائے گا کہ اس کے بعد خوف کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہے گی۔ تجھے نیک بخت بنایا جائے گا بدبخت نہیں، تجھے عزت بخشی جائے گی ذلت نہیں، تجھے بارگاہِ رب العزت میں قرب حاصل ہوگا دوری نہیں، تجھے رفعت عطا ہوگی پستی نہیں، تیری تعظیم کی جائے گی تحقیر نہیں اور تجھے پاکیزہ بنایا جائے گا آلودہ نہیں، اس کے بعد لوگوں کی وہ تمام مرادیں اور آرزوئیں جو وہ تجھ سے چاہیں گے پوری ہوں گی، اور لوگ جو کچھ بھی تیری مدح و ثنا میں کہیں گے وہ درست ہوگا۔ پس تو (ایسا) اکسیر بن جائے گا (کہ مسِ خام کو بھی کندن بنا دے گا) پھر تو اس مقام کو پا لے گا کہ کوئی تیرے رتبے کو نہیں پہنچ پائے گا، اور تو ایسا نیک بخت اور صاحبِ عظمت ہوگا کہ کوئی تیری مثل نہ ہوگا، اور ایسا یگانۂ روزگار ہوگا کہ کوئی تیرا ہمسر نہ ہوگا، اور ایسا بے نظیر و بے مثال ہوگا کہ کوئی تجھ جیسا نہیں ہوگا۔

تو یگانوں کا یگانہ، تن تنہا، مستور سے بھی مستور اور رازوں کا راز ہو جائے گا، ایسی صورت میں تو ہر رسول، نبی اور صدیق کا وارث بن جائے گا، تجھے ولایت میں درجہ کمال حاصل ہوگا۔ ابدال تجھ سے کسبِ فیض کریں گے، تجھ سے لوگوں کی مشکلات حل ہوں گی۔ تیری ہی دعا سے بارانِ رحمت کا نزول ہوگا۔ تیری برکت سے کھیتیوں کو نمو حاصل ہوگا، تیری ہی امداد سے ہر خاص و عام، اہلِ سرحد، رعایا و حکام، قائدینِ قوم، افرادِ ملت الغرض تمام مخلوقات کی آفات و بلیات رفع ہوں گی۔ ایسے میں تو شہروں اور ان کے باشندوں کا امیر و منتظم ہوگا، پس لوگ تجھ سے فیض حاصل کرنے کے لیے تیری طرف جوق در جوق دوڑے چلے آئیں گے۔

ہاتھ حکمِ خداوندی سے تیرے آگے عطیے اور نذرانے پیش کرنے اور خدمت بجالانے کے لیے دراز ہونگے اور اُن کی زبانیں ہر جگہ تیری مدح وثنا بطریق احسن کرتی پھریں گی۔ تیرے کمال (ولایت کاملہ) میں اہلِ ایمان کو کوئی اختلاف نہیں ہوگا۔ اے آبادیوں اور ویرانیوں کے باشندوں میں سے بہترین شخص یہ (تمام نعمتیں) خدا کا فضل ہیں اور اس کی ذات بڑے فضل والی ہے۔

(۵) حقیقتِ دُنیا

جب تو دنیا کو اس کے تمام تر سازوسامانِ آرائش، دِل لُبھا دینے والے مکروفریب، زیروام لانے والے اسباب، سمِ قاتل لذات ظاہری گدازی ونرمی، پوشیدہ مضرتوں، اپنے طلبگاروں کو فوری ہلاکت میں ڈالنے اور عہد شکنی کے معمول کے ساتھ دنیا داروں کے ہاتھوں میں دیکھے تو ان میں اپنے آپکو اس شخص کی طرح جان کہ جو قضائے حاجت کی جگہ میں گندگی وغلاظت کے ڈھیر پر اس حالت میں بیٹھا ہُوا ہے کہ اس کی شرمگاہ برہنہ اور اس کے چاروں طرف بدبُو اور تعفّن پھیلا ہُوا ہے، ایسے میں تو جب اسے دیکھتا ہے تو آنکھوں کو اس کی برہنہ شرمگاہ دیکھنے سے بند کرلیتا ہے اور تعفّن سے بچنے کے لیے ناک پر ہاتھ رکھ لیتا ہے۔ جب تو دنیا داروں کے پاس مال ومتاعِ دنیا دیکھے تو اسی طرح اس کی زینت وآرائش سے نگاہیں اٹھالے اور اس کے شہوات ولذّات کی بدبُو سے اپنا ناک بند کرلے تاکہ تجھے اُس سے اور اس کی آفات سے نجات حاصل ہو، تجھے دنیا میں جس قدر حصہ مقدر ہے مل جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا ولا تمدّن عینیك الیٰ ما متّعنا بہٖ ازواجاً منھم زھرۃ الحیٰوۃ الدنیا لنفتنھم فیہ ورزق ربّك خیرٌ وّ ابقیٰ[1] (اے سننے والے! اپنی آنکھیں اس مال ومتاع پر مت لگا جو ہم نے کفّار کو اس دنیا میں برتنے اور آسائش کے لیے دی ہیں، ہم نے انھیں یہ مال ومتاع اس لیے عطا کیا ہے تاکہ اس کے سبب انہیں فتنے میں ڈال دیں اور تیرے رب کا رزق سب سے اچھا اور دیرپا ہے)

---

[1] طٰہٰ: ۱۳۱

(۶) مخلوق سے بے تعلقی

خود کو خلق سے اس طرح منقطع کرلے کہ کائنات میں جو کچھ ہو تو اُسے تقدیر و مشیتِ ایزدی سمجھے، اپنی خواہشات کو امرِ خداوندی وعلی اللّٰہ فتوکلوا ان کنتم مومنین[1] کے ذریعے ترک کردے اور اپنے ارادوں کو افعال و تدبیرِ خداوندی میں فنا کردے تو تیرے اندر علمِ خدا کا محل بن جانے کی صلاحیت پیدا ہوجائے گی۔ خلقِ خدا سے فنا ہوجانے کی علامت، ان سے تیرا کٹ جانا، ان کے ہاں آنے جانے سے اجتناب کرنا اور ان کی چیزوں کے حصول سے خود کو مایوس کردینا ہے، تیرے خواہشات سے فنا ہونے کا مطلب حصول نفع اور دفع ضرر کے سلسلے میں سبب اور کسب کو چھوڑ دینا ہے، اس کے بعد تیری حالت ایسی ہوجانی چاہیے کہ تو اپنے لیے کوئی حرکت، اپنے اوپر کسی قسم کا بھروسہ، خود سے ضرر کو دُور کردینے کی کوشش، اور اپنے نفس کی کوئی مدد نہ کرے بلکہ ان تمام امور کو اپنے رب کے حوالے کردے کیونکہ وہی پہلے بھی ان کا ذمہ دار تھا اور اب بھی رہے گا، جیسے کہ یہ تمام امور اس وقت بھی اسی کے ذمے تھے جب کہ تو رحمِ مادر میں پوشیدہ اور گہوارے میں پڑا دُودھ پیتا بچہ تھا، اپنے ارادے کو فعلِ خداوندی میں فنا کردینے کا مفہوم یہ ہے کہ تو نہ کسی مراد کا ارادہ کرے اور نہ تیری کوئی غرض ہو، اسی طرح نہ تیری کوئی حاجت باقی رہے اور نہ کوئی آرزو، کیونکہ ایسے میں تو ارادۂ خدا کے ساتھ متعلق رہتے ہوئے اس کی چاہت کے سوا کچھ بھی نہیں چاہے گا بلکہ اللّٰہ تعالیٰ کا فعل تجھ میں اس طرح جاری ہوجائیگا کہ تو ارادہ و فعلِ خدا کے سامنے ساکت و جامد، مطمئن، فراخ سینہ، روشن چہرہ، اپنے باطن میں شاد و آباد، خدا سے تعلق میں تمام چیزوں سے بے پروا ہوجائے گا۔ پھر ترا مقام یہ ہوگا کہ دستِ قدرت تجھے جنبش میں لائے گا۔ زبانِ ازل تجھے آواز دے گی۔ پروردگارِ عالم تجھے اپنا علم سکھلا کر نورِ معرفت کا خلعتِ نورانی پہنا دے گا، اور وہ تجھے اپنے دلکش زیورات سے آراستہ کرکے سلفِ صالحین اور عارفین متقدمین کے مقامات پر فائز کردے گا۔

---

[1] مائدہ: ۲۳

پھر ترا نفس ایسا شکست خوردہ ہو جائے گا کہ اس میں کوئی ارادہ یا خواہش ٹھہر نہ سکے گی، جیسے کسی ٹوٹے ہوئے برتن میں نہ تو صاف پانی ٹھہرتا ہے نہ گدلا۔ جب تو تمام علائق بشری سے دور ہو جائے تو تیرا باطن خدا کے سوا کسی اور چیز کو نہیں چاہے گا، اس وقت تجھے تکوین و کرامات کے مقام پر فائز کر دیا جائے گا جو ظاہری طور پر تو تجھ سے صادر ہوں گی مگر درحقیقت اس کا تعلق فعل اور ارادۂ خداوندی سے ہوگا، پھر تجھے ان شکستہ دلوں کے گروہ میں شامل کر دیا جائیگا کہ جن کی تمام تر خواہشاتِ بشریہ شکستہ اور تمام طبعی میلانات زائل ہو چکے تھے، پھر ان میں نئے سرے سے ارادۂ ربی اور خواہشاتِ زندگی پیدا کر دی گئیں جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حبب الیّ من دنیاکم ثلاث الطیب والنساء وجعلت قرۃ عینی فی الصلوٰۃ (تمہاری دنیا میں سے میرے لیے تین چیزوں کو پسندیدہ بنایا گیا ہے، خوشبو، عورتیں اور نماز کہ جسے میری آنکھوں کی ٹھنڈک بنایا گیا ہے)

حدیث متذکرہ بالا میں جو امور بیان کیے گئے ہیں ان کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اس وقت منسوب کیا گیا جبکہ وہ ان سے اس حیثیت سے آگے نکل گئے تھے کہ یہ خواہشات اُن کا بشری مطالبہ نہ تھیں، اس امر کی طرف ہم پیچھے بھی اشارہ کر آئے ہیں۔ فرمانِ خداوندی ہے "میں ان لوگوں کے پاس ہوں جن کے دل میری محبت میں شکستہ ہو چکے ہیں" اس لیے اللہ تعالیٰ تیرے قریب اس وقت تک نہیں ہوگا جب تک کہ تو اپنا سارا وجود، ارادے اور خواہشات کو اس کی محبت و یاد میں فنا نہ کر دے، جب تو تمام کا تمام اس کی راہ تلاش میں اپنے وجود سے ہاتھ دھو بیٹھے تو تیرے اندر کوئی چیز باقی نہیں رہے گی، اور اپنے رب کے سوا تیرے اندر کسی چیز کی طرف متوجہ ہونے کی صلاحیت باقی نہیں رہے گی تو تجھے اللہ تعالیٰ نئی زندگی عطا فرمائیگا۔ وہ تیرے اندر اپنے ارادے کو راسخ کر دے گا اور تو جو کچھ بھی چاہے گا اس کا باعث یہی ارادۂ خداوندی ہوگا، پھر جب خدا کے عطا کردہ اس نئے ارادے میں تیرے نفس کی ادنیٰ آمیزش بھی ہو گئی تو وہ اسے توڑ ڈالے گا اور تو پھر سے شکستہ دل ہو کر رہ جائے گا۔ تیرے قلب کی یہ شکستگی ابد تک جاری رہے گی۔ تیرا رب تیرے ارادے کی تجدید کرتا رہے گا اور اسے زائل بھی کرتا رہے گا حتیٰ کہ تقدیر کے لمحات تکمیل پالیں گے، اور تجھے دیدار الٰہی کے فیض سے

مشرف کیا جائے گا، جو کچھ اُوپر بیان کیا گیا یہی انا عند المنکسرۃ قلوبھم لاجلی کا مفہوم ہے اور ہمارے قول عند وجودك فیھا سے مراد تیرا ارادہ نو سے مطمئن ہونا اور اس سے استحکام حاصل کرنا ہے۔ حدیث قدسی ہے لایزال عبدی المومن یتقرب الی بالنوافل حتی احبہ فاذا احببتہ کنت سمعہ الذی یسمع بہ وبصرہ الذی یبصر بہ ویدہ التی یبطش بھا ورجلہ الذی یمشی بہ اور ایک دوسری روایت کے مطابق وبی یسمع وبی یبصر وبی یبطش وبی یعقل (میرا بندہ نوافل کے ذریعے مسلسل میرا قُرب حاصل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اُسے اپنا دوست بنا لیتا ہوں اور جب وُہ میری دوستی کے دائرے میں داخل ہو جائے تو میں اس کی سماعت بن جاتا ہُوں جس سے وُہ سُنتا ہے اور اس کی آنکھ جس سے وُہ دیکھتا ہے اور اس کے ہاتھ جس سے وُہ پکڑتا ہے، اس کے پاؤں جن سے وُہ چلتا ہے، اور ایک روایت میں یُوں ہے وُہ میرے ہی ذریعے سنتا، دیکھتا، پکڑتا اور سوچتا ہے) اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ حالت فنا کے سوا اور کچھ بھی نہیں، جب تو خود اپنی ذات اور مخلوق جو کہ خیر و شر کا مرجع ہیں، سے بے نیاز ہو کر ان کے خیر و شر سے بے خوف ہو جائے تو اس وقت صرف اللہ ہی اللہ باقی رہ جائے گا جیسا کہ پیدا کرنے سے پہلے تھا، خیر و شر دونوں خدا کے دستِ قدرت میں ہیں وہی تجھے شر سے محفوظ کر کے اپنی بے پایاں خیر سے مشرف فرمائے گا جس کے نتیجے میں تو اس کی طرف سے ہر خیر کا محل، ہر نعمت، سرور، مسرت، نور، ضیاء اور امن و سکون کا سرچشمہ بن جائے گا، گویا فنا ہی وُہ آرزو، خواہش اور منزل ہے کہ سیرِ اولیاء کی تان اسی پر آکر ٹوٹتی ہے اور یہی وہ ثابت قدمی اور استقامت کی دولت ہے، جس کی طلب میں ماضی کے تمام اولیائے کرام اور ابدال علیہم السلام محو رہے ہیں۔ انھوں نے اپنے ارادوں کو خدا کے ارادے میں بدل لیا یہاں تک کہ ساری زندگی ارادۂ حق جل جلالہٗ ہی کے تابع رہے اور اسی لیے وہ ابدال کے نام سے موسوم ہُوئے۔ یہ وہ نفوسِ قدسیہ ہیں، جو رب ذوالجلال کے ارادے میں اپنے ارادے کی شرکت گناہ سمجھتے ہیں اور اگر سہو و نسیان یا غلبۂ حال کے باعث کبھی وہ ایسا کر بھی لیں تو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے فوراً انھیں اس لغزش پر متنبہ فرما دیتا ہے اور انھیں ہوشیار

کر دیتا ہے، چنانچہ وُہ اپنی اس لغزش سے رجوع کر لیتے ہیں، کیونکہ فرشتوں کے سوا ارادہ سے کوئی معصوم نہیں، فرشتے ارادے سے پاک اور انبیاء علیہم السلام خواہشِ نفس سے معصوم ہوتے ہیں اور باقی تمام مکلف مخلوقات' جنات اور انسان خواہش و ارادہ سے معصوم نہیں ہوتے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ اولیائے کرام خواہش نفس اور ابدال ارادے سے محفوظ ہوتے ہیں، معصوم نہیں، اس لیے کہ ان حضرات کا کسی وقت بھی خواہش نفس اور ارادے کی طرف مائل ہونے کا جواز موجود ہے یہ علیحدہ بات ہے کہ ایسی صورت میں خداوند تعالیٰ ان کو بیداری میں اپنی رحمت کاملہ سے مطلع فرما کر روک لیتا ہے۔

(۷) احوالِ معرفت

اپنے نفس کے دائرے سے باہر نکل کر اس سے کنارہ کش ہو جا، اپنی ہستی سے علیحدگی اختیار کر لے، اور اپنے تمام معاملات کو خدا کے سپرد کر کے اپنے دل کے دروازے پر اس کا دربان بن جا۔ وہ جس چیز کی اجازت دے اُسے دل میں آنے دے اور جس سے روک دے اسے اندر آنے سے باز رکھ اور خواہشات کو دل سے نکال باہر کرنے کے بعد دوبارہ داخل ہونے سے روک دے، خواہشات کا دل سے خارج کر دینا ہر حالت میں ان کی مخالفت اور عدم پیروی سے عبارت ہے جبکہ ان کے داخل کر لینے سے مُراد خواہشاتِ نفسانی کی اتباع ہے اس لیے تجھے چاہیے کہ خدا تعالیٰ کے ارادے سے ہی ہر چیز کا ارادہ کرے اور جو کچھ تو اس کے ارادے کے بغیر چاہے گا وہ تو فقط آرزو ہو گی اور آرزو میں رہنا جنت الحمقا میں رہنے کے مترادف ہے اور یہ تیری موت و ہلاکت' اس کی نظروں سے گرنے اور تیرے لیے اس سے حجاب کا باعث ہے ہمیشہ حکم خداوندی بجا لاتا رہ اور امور ممنوعہ سے بچتا رہ! اور جو کچھ اس نے تیرے لیے مقدر کر رکھا ہے اسے اسی کے سپرد کر دے، اس کی مخلوق میں سے کسی کو اس کا شریک مت ٹھہرا، تیرا ارادہ، تیری خواہش اور تیری امنگیں سب اسی کی پیدا کردہ ہیں، اس لیے تجھے چاہیے کہ کوئی ارادہ، خواہش یا امنگ ظاہر نہ کرے تاکہ اس سے تو شرک کا مرتکب نہ ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

(۷) احوالِ معرفت

اپنے نفس کے دائرے سے باہر نکل کر اس سے کنارہ کش ہو جا، اپنی ہستی سے علیحدگی اختیار کر لے، اور اپنے تمام معاملات کو خدا کے سپرد کر کے اپنے دل کے دروازے پر اس کا دربان بن جا۔ وہ جس چیز کی اجازت دے اُسے دل میں آنے دے اور جس سے روک دے اسے اندر آنے سے باز رکھ اور خواہشات کو دل سے نکال باہر کرنے کے بعد دوبارہ داخل ہونے سے روک دے، خواہشات کا دل سے خارج کر دینا ہر حالت میں ان کی مخالفت اور عدم پیروی سے عبارت ہے جبکہ ان کے داخل کر لینے سے مُراد خواہشاتِ نفسانی کی اتباع ہے اس لیے تجھے چاہیے کہ خدا تعالیٰ کے ارادے سے ہی ہر چیز کا ارادہ کرے اور جو کچھ تو اس کے ارادے کے بغیر چاہے گا وہ تو فقط آرزو ہوگی اور آرزو میں رہنا جنت الحمقا میں رہنے کے مترادف ہے اور یہ تیری موت و ہلاکت، اس کی نظروں سے گرنے اور تیرے لیے اس سے حجاب کا باعث ہے ہمیشہ حکم خداوندی بجا لاتا رہ اور امور ممنوعہ سے بچتا رہ! اور جو کچھ اس نے تیرے لیے مقدر کر رکھا ہے اسے اسی کے سپرد کر دے، اس کی مخلوق میں سے کسی کو اس کا شریک مت ٹھہرا، تیرا ارادہ، تیری خواہش اور تیری امنگیں سب اسی کی پیدا کردہ ہیں، اس لیے تجھے چاہیے کہ کوئی ارادہ، خواہش یا امنگ ظاہر نہ کرے تاکہ اس سے تو شرک کا مرتکب نہ ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

فمن كان يرجوا لقاء ربه فليعمل عملاً صالحاً ولا يشرك بعبادة ربه احداً[1]۔

(جسے اپنے رب سے ملنے کی امید ہو اسے چاہیے کہ نیک کام کرے اور اپنے رب کی بندگی میں کسی کو شریک نہ کرے) شرک فقط صنم پرستی ہی کا نام نہیں بلکہ خواہشات نفس کی اتباع اور خدائے عزّ و جل کے سوا دنیا و آخرت کی کسی چیز کو بھی چاہنا شرک کے دائرے میں آجاتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ جو کچھ بھی ہے وہ اس کا غیر ہے، لہٰذا جب تو اس کے سوا غیر کی طرف مائل ہو گا، تو بلاشبہ تو نے غیر کو اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہرایا، اس لیے اس کے ماسوا سے اجتناب کر، اور آرام و آسائش میں نہ پڑ! خدا سے ڈرتا رہ! بےخوف نہ بن! طلب و جستجو میں رہ، غفلت نہ کر! یہ چیز تجھے اطمینان بخشے گی، اپنے نفس کی طرف کسی حال اور مقام کی نسبت نہ کر! اور نہ ہی ان میں سے کسی کا دعویٰ کر، اگر تجھے حال کی دولت سے مالا مال کر دیا جائے یا کوئی مقام عطا کر دیا جائے تو اسے کسی دوسرے پر ہرگز ظاہر نہ کرنا، کیونکہ حالات بدلنے کے سلسلے میں ہر روز اللہ تعالیٰ کی نئی شان ہے اور اللہ تعالیٰ بندے اور اس کے قلب کے درمیان جلوہ گر ہے تو کوئی پتہ نہیں کہ کب وہ تجھے اس مقام یا حال سے معزول کر دے جس کے بارے میں تُو نے دوسروں کو بتا رکھا ہو، اور کیا معلوم کہ وہ تجھے اس مقام یا حال سے تبدیل کر دے جس کی پائیداری کا تُو نے تصور کر رکھا ہے اور اس طرح تجھے ان لوگوں کے سامنے شرمندگی اٹھانی پڑے جنھیں تُو نے اس بارے میں باخبر کر رکھا تھا لہٰذا تو اس کے بارے میں کسی سے کچھ مت کہہ اور اسے اپنے تک ہی محدود و محفوظ رکھ، اگر خدا کا عطا کردہ مقام یا حال ہمیشہ کے لیے تجھے حاصل ہو تو اُسے اس کی بخشش و عطا سمجھ اور خدا کے حضور توفیق، شکر اور اس میں مزید اضافے کی دُعا کر، اگر یہ نعمت مستقل طور پر حاصل نہ ہو تو بھی اس میں اللہ کی جانب سے علم، معرفت، نور، بیداری اور ادب کا اضافہ مطلوب ہوگا فرمانِ خداوندی ہے: ما ننسخ من اٰیۃٍ او ننسها نات بخیر منها او مثلها الم تعلم ان اللہ علیٰ کل شیءٍ قدیر[2] (جب کوئی آیت ہم منسوخ فرمائیں یا بھلا دیں تو اس سے بہتر یا اس جیسی لے آئیں گے، کیا تجھے خبر نہیں کہ اللہ سب کچھ کر سکتا ہے) تو خدا نے لم یزل کو

---

[1] کہف: ۱۱۰

[2] البقرہ: ۱۰۶

اس کی قدرت میں عاجز نہ جان ، اور نہ ہی اس کی تدبیر و تقدیر پر نکتہ چینی کر ، اس کے وعدے پر شک نہ کر ، اور تیرے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا اُسوۂ حسنہ ہی نمونۂ کردار ہونا چاہیے ،

کئی آیات اور قرآنی سُورتیں جن پر عمل کیا جاتا رہا محرابوں میں تلاوت کی جاتی رہیں اور مصاحف میں لکھی ہُوئی تھیں کو منسوخ کر کے ان کی جگہ دوسری آیات نازل کر کے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اُن کی طرف متوجہ کیا گیا ، یہ تو ظاہری شریعت کی بات تھی اور جہاں تک خدا تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان علم باطن اور باطنی حال کا تعلق ہے تو اس کے بارے میں خود آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے دل پر ایک حجاب سا ڈال دیا جاتا ہے تو میں ایک دن میں ستر مرتبہ استغفار کرتا ہوں ، اور ایک روایت میں یوں ہے کہ سو مرتبہ استغفار کرتا ہوں آپ ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف منتقل کیے جاتے تھے ، یہاں تک کہ دوسری حالت پھر ایک اور حالت سے بدل جاتی تھی ، آپ کو غیب کی وادیوں اور قرب کی منزلوں کی طرف لے جایا جاتا اور بدل بدل کر آپ کو نورانی خلعتیں پہنائی جاتی تھیں ، اس دوران آپ کو پہلی حالت دوسری سے فروتر اور تاریک نظر آتی اور پہلی حالت میں حدودِ ادب میں آپ کو کمی کا احساس ہوتا تھا ، ایسے میں آپ کو توبہ و استغفار کی تلقین کی جاتی کیونکہ استغفار بندے کے حالات میں سے بہترین حالت اور اس کے معاملات کے لحاظ سے احسن ہے ، اس لیے کہ توبہ میں بندے کی طرف سے اعترافِ گناہ اور اعترافِ قصور ہوتا ہے ۔ توبہ و استغفار بندے کی وہ صفات ہیں جو اسے ابو البشر آدم علیہ السلام سے ورثے میں ملی ہیں ، جب اُن کے حال کی پاکیزگی اور صفائی پر عہد و میثاق بھول جانے کی تاریکی چھا گئی اور انھوں نے جنت میں ہمیشہ رہنے ، قربِ خداوندی ، اور اپنے پاس فرشتوں کے مؤدبانہ حاضر ہونے کی خواہش کی تو اس وقت ان کی خواہشِ نفس اور ارادہ ذات حق تعالیٰ کے ساتھ شریک ہو گیا ، جس کے باعث ان کے اس ارادے کو زائل کر دیا گیا ، اُن کی وہ پہلی حالت باقی نہ رہی اور منزلِ قرب سے معزول کر دیے گئے اور اُن کی وہ قدر و منزلت نہ رہی ، ان کے انوار ظلمت سے بدل گئے اور صفائے باطن پر تکدر چھا گیا پھر انھیں اس سہو و نسیان پر متنبہ کر کے ان سے اس گناہ اور نسیان کا اعتراف کرایا گیا ، اور انھیں اس قصور و نقصان کے اقرار کی تلقین کی گئی ، اس پر آدم علیہ السلام نے فرمایا :

ربنا ظلمنا انفسنا و ان لم تغفر لنا و ترحمنا لنکونن من الخٰسرین[1] (اے ہمارے رب ہم نے اپنا آپ بُرا کیا تو اگر تُو ہمیں نہ بخشے اور ہم پر رحم نہ کرے تو ہم ضرور نقصان پانے والوں میں سے ہُوئے)

اس کے بعد انھیں نورِ ہدایت سے مشرف کیا گیا، انھیں توبہ کے ان معارف و نکات سے آگاہ کیا گیا جو پہلے ان سے مخفی تھے، اور توبہ ہی سے ان پر منکشف ہُوئے پھر انھیں توبہ کی توفیق بخشی گئی تاکہ وُہ توبہ کر لیں، جس کی برکت سے ان کا ارادہ ارادۂ حق سے بدل گیا۔ پہلی حالت بدل کر اس کی جگہ انھیں اس سے بہتر حالت عطا کی گئی، ولایت کبریٰ کی نعمت سے نوازا گیا اور ان کی دنیوی اور اُخروی زندگی کو دولتِ سکون سے مالامال کر دیا گیا، دنیا اُن کے اور ان کی اولاد کے لیے رہنے کا ٹھکانہ اور عالمِ آخرت اُن کے لیے دائمی جائے قرار بنا دیا گیا، الغرض تیرے لیے اپنے قصور کے اعتراف، انکسار اور تمام حالات میں استغفار کے سلسلے میں حبیبِ مصطفیٰ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے پدرِ بزرگوار حضرت آدم صفی اللہ علیہ السلام کی ذاتِ قدسیہ کا اُسوہ اختیار کرنا ضروری ہے۔

(۸) قُربِ الٰہی اور اس کے آداب

جب تجھے کسی حالت پر رکھا جائے تو اس سے اعلیٰ کی آرزو کر نہ اس سے ادنیٰ کی خواہش کا ارادہ کر، جب تو کسی بادشاہ کے دروازے پر ہو تو اس میں اپنی مرضی سے مت داخل ہو یہاں تک کہ تجھے اس میں غیر اختیاری طور پر جبراً داخل کیا جائے، یہاں جبر سے میری مراد اصرار اور تاکیدی حکم ہے، اور تُو شاہی محل میں داخل ہونے کے لیے فقط اجازت پر ہی اکتفا نہ کر کیونکہ ممکن ہے کہ یہ بادشاہ کی طرف سے کوئی دھوکہ یا فریب ہو، بلکہ تو اس وقت تک صبر کر جب تک کہ تجھے داخل ہونے کے لیے مجبور نہ کیا جائے۔ اگر تجھے جبراً داخل کیا جائے گا یہ بادشاہ کے اختیار سے ہوگا نہ کہ تیری خواہش سے، ایسے میں بادشاہ تجھے اپنے فعل کی بنا پر

---

[1] اعراف : ۲۳

ہرگز زیرِ عتاب نہیں لائے گا۔ یہ واضح رہے کہ تجھ پر کوئی بھی مصیبت یا سزا تیری اپنی شومیٔ خواہش، حرص، بے صبری، بے ادبی، اور جس مقام پر تو فائز ہے اس پر ناخوشی کے سبب ہی آتی ہے، جب تجھے مجبور کر کے قصرِ شاہی میں لے آیا جائے تو سر نیچا کیے، آنکھیں جھکائے، مودبانہ اپنے فرائض اور خدمات اس طرح سرانجام دے کہ اس سے کسی بلند رُتبے کی خواہش کا اظہار نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ اپنے نبی مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فرماتا ہے:

ولا تمدن عينيك الى ما متعنا به ازواجاً منهم زهرة الحيٰوة الدنيا لنفتنهم فيه ورزق ربك خير وابقیٰ[1] (اے سننے والے اپنی آنکھیں اس مال و متاع پر مت ٹکا جو ہم نے کفار کو اس دنیا میں برتنے اور آرام و آسائش کے لیے دی ہیں، ہم نے انھیں یہ مال و متاع اس لیے عطا کیا ہے تاکہ اس کے سبب انھیں فتنے میں ڈال دیں اور تیرے رب کا رزق سب سے اچھا اور دیرپا ہے)

اس آیت میں ورزق ربك خير وابقیٰ سے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو حفاظتِ حال اور عطا کردہ نعمت پر راضی رہنے کی تلقین کی ہے، یعنی خدا تعالیٰ اپنے نبی سے یہ فرماتا ہے کہ "ہم نے تجھے خیر، نبوت، علم، قناعت، صبر، دین کی پیشوائی اور جہاد کی جو دولت عطا کی ہے وہ اس سے کہیں بہتر ہے جو ہم نے دوسروں کو عطا کی ہے" ساری بھلائی حفاظتِ حال، اس پر رضامندی، اور اس کے غیر کی طرف التفات نہ کرنے میں پوشیدہ ہے کیونکہ اس کے علاوہ جو کچھ ہے وہ یا تو تیری قسمت میں ہوگا یا کسی اور کی قسمت میں یا وہ کسی کا حصہ نہیں بلکہ اُسے خدا نے فقط بندوں کی آزمائش کے لیے پیدا کیا ہے، اگر یہ تیرا بہرہ ہے تو تجھے مل کر رہے گا، چاہے تو چاہے یا نہ چاہے، لہٰذا تیرے لیے مناسب نہیں کہ تجھ سے اس کی طلب میں لالچ اور بے ادبی کا مظاہرہ ہو کیونکہ علم و دانش کے اعتبار سے یہ ناپسندیدہ امر ہے، اگر وہ تیری قسمت ہی میں نہ ہو تو اس کے حصول کی تگ و دو کس قدر بے سُود ہے جبکہ وہ تجھے ہرگز حاصل نہیں ہو سکتی، اگر یہ کسی کی قسمت ہی نہیں بلکہ ایک فتنہ ہے جس کے ذریعے

---

[1] طٰہٰ: ۱۳۱

آزمائش مقصود ہے تو ایسے میں ایک دانشمند انسان کیسے یہ گوارا کرے گا کہ اپنے لیے فتنہ مول لے'
الغرض یہ بات ثابت ہوگئی کہ خیر اور سلامتی مکمل طور پر حفاظتِ حال ہی میں مضمر ہے، جب تجھے بالاخانے
اور وہاں سے چھت پر لایا جائے تو اپنے حال کی حفاظت کر، سر جھکائے رکھ اور با ادب رہ جیسا کہ
ہم تجھے تلقین کر آئے ہیں بلکہ ان امور میں مزید اضافہ کر کیونکہ تو بادشاہ سے نزدیک اور خطرے سے
قریب ہے، ایسے مقام سے اعلیٰ یا ادنیٰ مقام کی طرف منتقل ہونے اسکے ثبات و بقا اور تغیرِ حال کی
ہرگز تمنا نہ کر اور اس مقام میں اس طرح رہ کہ تجھے اپنا اختیار حاصل نہ ہو، کیونکہ اس طرح کی تمنا کفرانِ
نعمت ہے اور کفرانِ نعمت ناشکرے کے لیے دنیا و آخرت دونوں میں باعثِ ذلت و رسوائی ہے۔
مختصر یہ کہ جس طرح ہم نے بیان کیا ہمیشہ اسی پر عمل پیرا رہو۔ یہاں تک کہ تجھے ایک ایسے مقام پر پہنچا
دیا جائے کہ اس کے بعد تجھے اس میں مستقل قیام حاصل ہو جس سے تجھے کبھی الگ نہیں کیا جائیگا۔
اس وقت تجھ پر یہ عیاں ہو جائے گا کہ یہ مقام جو علامات و آیات کے ساتھ ظاہر ہوا ہے دراصل
بخششِ خداوندی ہے لہٰذا تو اسے ہر حال میں مضبوطی سے تھامے رکھ اور اس کی حفاظت کر
کیونکہ احوال اولیاءؒ کے لیے اور مقامات ابدال کا حصہ ہوتے ہیں۔

(۹) کشف و مشاہدہ

کشف اور مشاہدۂ افعال کے دوران اولیاء اور ابدال پر افعالِ خدا میں سے ایسے امور
منکشف ہوتے ہیں جو عقلوں کو مغلوب اور عادات و رسوم کو پارہ پارہ کر ڈالتے ہیں۔ یہ امور
دو طرح کے ہوتے ہیں، جلالی اور جمالی، پھر ان میں سے جلال اور عظمت، بے چین کر دینے والے
خوف، متزلزل کر دینے والے ڈر، اور قلب و جسم پر انتہائی غلبہ رکھنے والے خوف کے آثار
پیدا کر دیتے ہیں جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں روایت ہے کہ جب آپ نماز ادا
فرماتے تو جلال اور عظمتِ حق کے مشاہدے کی وجہ سے شدتِ خوف کی بناء پر آپ کے سینے مبارک
سے دیگچی کے جوش مارنے کی سی آواز نکلتی تھی، حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام اور حضرت
عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے بارے میں بھی ایسی ہی روایات بیان کی گئی ہیں۔
اور مشاہدۂ جمال سے مراد ذاتِ کبریا کا وہ جلوۂ پُر بہار ہے جو اپنے دامن میں دلوں کے لیے

نور و سرور، لطف و کرم، گفتگوئے دلپذیر، عنایاتِ عظیم، مراتبِ بلند اور حق تعالیٰ کے قُرب کی خوشخبری جیسے انعامات لیئے ہُوئے ہے اور یہ اس کی وہ رحمت ہے جس کی طرف آخر کار لوٹنا ہے اور ان (انعامات) کے بارے میں فضل رحمت سے تقدیرِ ازل کا قلم خشک ہو گیا ہے اور یہ خدائے پاک کی رحمت و فضل اور ان کو دنیا میں ایک خاص وقت تک باقی رکھنا ہے تاکہ فرطِ شوق کے باعث ان کی محبت حد سے گزرنے نہ پائے اور اُن کے جگر نہ شق ہو جائیں، اور اس سے وُہ موت سے پہلے اللہ تعالیٰ کی بندگی اور عبادت کی ادائیگی کے سلسلے میں کمزور یا ہلاک نہ ہو جائیں، اور اللہ ان سے یہ (مہربانی و عنایت کا) سلوک اپنی خاص عنایت، رحمت اور نوازش سے فرماتا ہے "تاکہ ان کے دل اس سے اصلاح اور نرمی حاصل کریں۔

چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ آپ اپنے موذّن حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے فرمایا کرتے تھے کہ اے بلال ہمیں تکبیرِ اقامت کے ذریعے راحت پہنچا تاکہ ہم نماز میں داخل ہوں" یعنی اوپر بیان کیے گئے احوال کا مشاہدہ کریں، اسی لیے آپؐ نے فرمایا کہ نماز میری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے"۔

(۱۰) نفس اور اس کی کیفیات

اس میں شک نہیں کہ ایک تو اللہ تبارک و تعالیٰ کی ذات ہے اور ایک تیرا ذاتی نفس ہے، نفس اللہ کا دشمن اور مخالف ہے، باقی سب چیزیں اللہ تعالیٰ کی مطیع و فرمانبردار ہیں، اگرچہ نفس بھی حقیقت میں اللہ ہی کی مخلوق اور ملکیت ہے تاہم اس کو لذت و شہوت کی وجہ سے کئی دعوے ہیں جب تو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے ہُوئے اپنے نفس کی سرکشیوں کی مخالفت کرے گا تو تُو اللہ کا ہو کر نفس کا دشمن ہو جائے گا جیسے خدا تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام سے فرمایا: اے داؤد! تیرا منتہائے مقصود میں ہی ہوں، اس لیے اپنے منتہائے مقصود کو مضبوطی سے تھام رکھ۔ عبودیت کا تقاضا یہ ہے کہ اپنے نفس کی خواہشات کا دشمن ہو جا، اس وقت اللہ تعالےٰ سے تیری دوستی اور عبودیت کا تعلق صحیح معنی میں استوار ہو جائے گا، تجھے انواع و اقسام کی پاکیزہ اور خوشگوار نعمتیں ملیں گی، اور تجھے قرب و اعزاز نصیب ہوگا، پھر تمام اشیاء تیری خدمت

بجا لائیں گی، تیری عظمت اور دبدبے کو تسلیم کریں گی، کیونکہ وہ سب کی سب اپنے پروردگار کی فرمانبردار اور مطیع ہیں، اس لیے کہ وُہ ان کا خالق اور از سرِ نو پیدا کرنے والا ہے، اور یہ تمام اشیاءُ اس کے حضور عبودیت کا اقرار کرتی ہیں، فرمانِ ایزدی ہے وان من شیءٍ الا یسبح بحمدہٖ ولکن لا تفقھون تسبیحھم[1] (اور کوئی چیز ایسی نہیں جو اسے سراہتی ہوئی اس کی پاکی نہ بولے ہاں تم ان کی تسبیح نہیں سمجھتے)۔ اسی طرح دوسری جگہ ارشاد ہے:

فقال لھا وللارض ائتیا طوعًا او کرھًا قالتا اتینا طائعین[2] (تو اس (آسمان) سے اور زمین سے فرمایا کہ دونوں حاضر ہو خوشی سے چاہے ناخوشی سے۔ دونوں نے عرض کی ہم رغبت کے ساتھ حاضر ہوئے)

عبادتِ کاملہ مخالفتِ نفس ہی کا نام ہے[3]۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے،

فلا تتبع الھوٰی فیضلک عن سبیل اللّٰہ[4] (اور خواہش کے پیچھے نہ جانا کہ تجھے اللہ کی راہ سے بہکا دے گی)

اور داؤد علیہ السلام سے فرمایا:

"اپنی خواہش کو چھوڑ دیجئے کیونکہ یہ خواہش فساد کا باعث ہے۔"[5]

حضرت بایزید بسطامیؒ کے بارے میں ایک مشہور حکایت ہے کہ جب وُہ خواب میں دیدارِ الٰہی سے مشرف ہوئے تو انہوں نے پوچھا، مولیٰ! تیری بارگاہ تک رسائی کا کیا طریقہ ہے؟ ارشاد ہوا، اپنے (خواہشات) نفس کو چھوڑ اور میری طرف آجا۔ بایزید بسطامی کا بیان ہے کہ

---

[1] بنی اسرائیل: ۴۴۔ لاہور والے مطبوعہ نسخے میں اس آیت کے بعد یہ الفاظ زائد ہیں ای تذکرہ وتعبدہ وقال اللہ عزوجل۔

[2] حٰم السجدہ: ۱۱   [3] لاہور والے نسخے میں "دھواک" کا لفظ زائد ہے۔

[4] ص: ۲۶

[5] لاہوری نسخے کی عبارت یوں ہے واھجر ھواک فانھا لا منازع ینازعنی فی ملکی غیر الھوٰی۔

[6] لاہوری نسخے میں فقال نہیں ہے۔

اس کے بعد میں اپنے نفس (کی خواہشات) سے اس طرح باہر نکل آیا جیسے سانپ اپنی کینچلی اتار کر اس سے نکل آتا ہے، مختصر یہ کہ مکمل بھلائی اسی میں ہے کہ تمام حالات میں نفس سے دشمنی رکھی جائے۔ اگر تو پرہیزگار ہے تو نفس کا اس طرح مخالف ہو جا کہ لوگوں کے حرام اور مشتبہ مال، احسان، بھروسے، اعتماد، ان سے خوف، امید اور مزید متاع دنیا میں سے جو کچھ اُن کے پاس ہے اس سے پُوری طرح بے نیاز ہو جائے تو ان کی طرف سے بطور ہدیہ، نذرانہ، زکوٰۃ اور صدقہ وغیرہ کسی بھی چیز کے ملنے کی توقع نہ رکھ، تو لوگوں کے اسباب اور وجوہ سے اپنی خواہش و ارادہ مکمل طور پر منقطع کر لے۔ یہاں تک کہ اپنے کسی مالدار عزیز کے مال کی وراثت کے لیے اس کی موت کی خواہش نہ کر۔ خلق سے کوشش کے ساتھ علیحدہ ہو جا انھیں دروازے کی طرح سمجھ کہ جو کُھلتا اور بند ہوتا ہے، یا انھیں ایک ایسے درخت کی مانند سمجھ جو کبھی پھل دیتا ہے اور کبھی نہیں، یہ سب کچُھ فاعلِ (حقیقی) کے فعل اور مالکِ کائنات کی تدبیر سے ہوتا ہے جو کہ اللہ جل شانہٗ ہے (ان امور پر غور کر) تاکہ تو رب کو ایک جانے۔ اس کے ساتھ ساتھ بندوں کے (اختیار) کسب کو فراموش نہ کرنا تاکہ تو عقائد جبریہ میں پڑنے سے بچ جائے، اسی طرح اس بات پر بھی یقین رکھ کہ بندوں کے تمام افعال اللہ تعالیٰ کے بغیر پورے نہیں ہوتے تاکہ تو اپنے رب کو بھول کر بندوں کی پرستش میں نہ لگ جائے، اور تو ان کے فعل کو صرف انہی کا فعل نہ سمجھ ورنہ تو کافر ہو کر فرقہ قدریہ میں شامل ہو جائے گا، بلکہ یُوں کہہ کہ وہ افعال پیدائش و آفرینش کے اعتبار سے خدا کے پیدا کردہ اور کسب کے لحاظ سے بندوں کے لیے ہیں جیسا کہ آخرت میں جزا کے طور پر ثواب و عذاب سے متعلق احادیث وارد ہُوئی ہیں، اور بندوں کے معاملہ میں خدا کا حکم بجا لا، اور اس کے حکم کے مطابق اپنا حصہ ان سے جُدا کر لے، اور پھر اس سے تجاوز نہ کر۔ اللہ تعالیٰ کا حکم قائم اور مخلوق اور تجھ پر حاکم ہے لہذا تو خود حاکم مت بن، مخلوق کے ساتھ تیرا رہنا مقدر ہے اور مقدر تاریکی ہے اس لئے ظلمت میں چراغ لے کر داخل ہو، اور وہ چراغ کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ کتاب و سنت کے احکام سے ہرگز باہر نہ نکل۔ اگر تیرے دل میں اچانک کوئی خدشہ یا الہام پیدا ہو تو اسے کتاب و

---

۱ لاہوری نسخے میں من حطام الدنیا ہے جبکہ مصری نسخہ میں من احکام الدنیا ہے ہم نے حطام الدنیا کو صحیح سمجھا ہے۔

سنّت کی روشنی میں دیکھ! اگر تو کتاب وسنّت میں اس کی حُرمت پائے جیسے داعیۂ زنا، سُود یا فاسق فاجر لوگوں سے میل ملاپ، یا اس کے علاوہ دیگر گناہ، تو ایسے وسوسوں کو دل سے دُور کر اور چھوڑ دے، نہ انھیں قبول کر اور نہ ان پر عمل کر، اور یقین جان کہ یہ وسوسے اور اندیشے شیطان کی جانب سے ہیں، اور اگر وہ خدشے یا الہام ایسے امور سے متعلق ہیں جو کتاب وسنّت میں مباح ہیں مثلاً کھانے، پینے، لباس اور نکاح کی خواہشات تو انھیں بھی ترک کر دے قبول نہ کر کیونکہ یہ بھی تیرے نفس اور اس کی خواہشات کا الہام ہے اور تجھے تو نفس و خواہشات سے عداوت و مخالفت کا حکم دیا گیا ہے اور اگر تو اس خدشے یا الہام کی کتاب وسنّت میں حلت پائے اور نہ حُرمت بلکہ وُہ ایک ایسی بات ہو جسے تُو نہیں سمجھ سکتا جیسے تجھ سے کہا جائے کہ فلاں جگہ جاؤ اور فلاں نیک شخص سے ملاقات کرو، حالانکہ خدا تعالیٰ نے اپنے علم و معرفت کی نعمت سے مالا مال کر کے تجھے بے نیازی کی جو دولت عطا کی ہے اس کے پیشِ نظر وہاں جانے اور کسی سے ملنے کی تمھیں کوئی حاجت نہیں، تو ایسے میں توقف کر اور وہاں جانے میں جلدی نہ کر اور دل میں سوچ کر آیا یہ الہام ذاتِ باری کی جانب سے ہے اس پر عمل کروں؟ بلکہ اس کے اختیار کرنے میں مزید انتظار کر، اور یہ الہام فعلِ خداوندی تب ہوگا جبکہ یہ الہام بار بار دُہرایا جائے، اور تجھے جلدی جانے کا حکم دیا جائے، یا کوئی ایسی علامت ظاہر ہو جو اہلِ معرفت پر ظاہر ہُوا کرتی ہے جیسے صاحبِ فہم و فراست اولیاء، اور صفتِ ادراک سے متصف ابدال ہی سمجھ پاتے ہیں لہٰذا تجھے اس امر میں عجلت نہیں کرنی چاہیے، کیونکہ تجھے معلوم نہیں کہ اس کا انجام کیا ہوگا اور مرضیِ خدا کیا ہے؟ اور نہ ہی تجھے اس بات کا علم ہے کہ آزمائش کے طور پر اس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے فتنہ، ہلاکت اور مکر و فریب موجود ہے، پس اس وقت تک صبر کر جب تک کہ خود اللہ تعالیٰ تیرے اندر (اس کام میں) متصرف نہ ہو جائے، اور جب تیرا عمل مٹ کر خالص فعلِ حق باقی رہ گیا اور اس صورت میں تجھے وہاں لے بھی جایا گیا تو اس صورت میں اگر وہاں کوئی فتنہ درپیش آ گیا تو تجھے اس سے محفوظ و مصئون رکھا جائے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے فعل پر تجھے کبھی عذاب میں مبتلا نہیں کرے گا، کیونکہ عذاب دراصل کسی کام میں (ارادہ و مرضیِ مولیٰ کے بغیر) تیری دخل اندازی ہی کی وجہ سے آتا ہے، اور اگر تو حقیقی

حالت یعنی مقامِ ولایت پر فائز ہو تو اپنی خواہشات کی مخالفت کر اور تمام حالات میں حکمِ خداوندی کی پابندی کر۔ امرِ الٰہی کی پیروی کی دو صورتیں ہیں پہلی یہ کہ تو دنیا سے اس قدر (غذا) حاصل کرے جس سے نفس کا حق ادا ہو جائے اور لذت کو ترک کر کے فرائض کی ادائیگی میں مشغول ہو جائے اور تمام ظاہر و باطن گناہ چھوڑ دے۔ دوسری صورت باطنی امر سے مامور ہونا ہے اور یہ وہ ہے جس کے ذریعے سے وہ اپنے بندے کو امر و نہی کی تلقین کرتا ہے اور یہ باطنی امر اس مباح میں پایا جاتا ہے جس کا شریعت میں کوئی حکم نہیں ہے کیونکہ نہ تو یہ قبیلِ نہی سے تعلق رکھتا ہے اور نہ اس کا رابطہ امر واجب سے ہے، بلکہ یہ وہ مہمل امر ہے کہ اس میں بندے کو اختیار دے دیا جاتا ہے کہ وہ اس میں اپنے اختیار سے جیسے بھی چاہے تصرف کرے، اس لیے اسے مباح کا نام دیا گیا ہے، اس میں بندہ اپنی طرف سے کوئی نئی بات نہ کرے بلکہ اس میں حکم کا انتظار کرے، جب حکم پالے تو اُسے بجالائے۔ اس وقت اس کی تمام حرکات و سکنات اللہ کے امر سے ہی ہوں گی، جس کا حکم شریعت میں ہوگا اسے از روئے شرع، اور جس کا حکم شریعت میں نہیں ہوگا' اسے از روئے باطن بجالائے گا، اس کے بعد بندہ پُوری طرح اہلِ حقیقت کے زُمرے میں شامل ہو جائے گا، اور جس میں امرِ باطن موجود نہ ہو تو وہ صرف فعلِ الٰہی (تقدیرِ محض) ہوگا جسے حالتِ تسلیم کہتے ہیں۔ اگر تو حق الحق یعنی حالتِ محو و فنا ہے پر فائز ہو، اور یہ حالت اللہ کے لیے شکستہ دلوں، موحدوں، عارفوں، اربابِ علم و دانش، سرداروں کے سردار، خلق کے کوتوال اور نگہبانوں، دوستانِ حق اور خاصانِ بارگاہ کو حاصل ہوتی ہے، تو ان حالات میں امرِ الٰہی کی پیروی یہی ہے کہ تو خود اپنا مخالف ہو جا، قوت و طاقت سے بیزار اور دنیا و آخرت کی تمام چیزوں کی طرف اپنے ارادے سے بری ہو جا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تو دنیا و سلطنت کی بجائے بادشاہِ حقیقی کا سچا غلام بن جائیگا امرِ حق کا بندہ ہوگا اپنی خواہش کا نہیں، ایسے میں تو دایہ کے ہاتھوں میں طفلِ شیر خوار، غسل دینے والے کے سامنے میت اور طبیب کے سامنے بیہوش مریض کی طرح امر و نہی کے علاوہ دیگر تمام امور میں بیہوش اور بے اختیار ہو جائے گا۔

(۱۱)- معاشی تنگی میں مسلمانوں کا طرزِ عمل

اگر تجھے معاشی تنگی کے دوران نکاح کی خواہش پیدا ہو، حالانکہ اُس وقت تُو اس کا بوجھ اٹھانے کی سکت نہیں رکھتا تو تو اس معاملے کے حل کی اللہ تعالیٰ سے امید کرتے ہوئے انتظار کر کہ جس کی قدرت سے تیرے اندر یہ خواہش پیدا ہوئی شاید وہ یہ خواہش تیرے دل سے مٹا دے یا وہ اس خواہش کی تکمیل کا سامان اس طرح اپنی بخشش و عطا، نرمی و سہولت اور برکت سے کافی و شافی طور پر مہیا فرما دے گا کہ نہ تو دنیا میں اس کے بوجھ تلے آئے گا اور نہ یہ آخرت میں تیرے لیے مصیبت کا باعث بنے، پھر اپنی خواہشات پر صبر اور تقدیر پر راضی رہنے کے سبب اللہ تعالیٰ تیرا نام صابر اور شاکر رکھدے گا، اور تجھے گناہ سے بچنے کی عصمت کی قوت میں زیادتی عطا فرمائے گا۔ صبر کے بعد جو نعمت کفایت اور سعادت کے طور پر اللہ تعالیٰ نے تجھے عطا کی ہے، اس وقت صبر شکر سے بدل جائے گا اور اللہ تعالیٰ نے شکر کرنے والوں پر اپنی نعمت کی زیادتی کا وعدہ تو کر ہی رکھا ہے، ارشاد باری ہے:

لئن شکرتم لازیدنکم ولئن کفرتم ان عذابی لشدید[1]۔ (اگر احسان مانو گے تو میں تمھیں اور دُوں گا اور اگر ناشکری کرو تو میرا عذاب سخت ہے)

اور اگر وہ (خواہش) تیرا حصہ نہیں ہے تو اس سے بے نیازی یہی ہے کہ نفس چاہے یا نہ چاہے اُسے دل سے مٹا دیا جائے، صبر اختیار کر اور خواہشات کی مخالفت کر، اللہ تعالیٰ کے احکام کی پابندی کر اور تقدیر خداوندی پر اس کے فضل و عطا کی امید کرتے ہوئے راضی ہو جا۔ اللہ کا فرمان ہے:

انما یوفی الصابرون اجرھم بغیر حساب[2]۔ (صابروں ہی کو ان کا ثواب بھرپور اور بے حساب دیا جائے گا)

---

[1] ابراہیم: ۷

[2] زمر: ۱۰

(۱۲) مال و دولت

اگر تجھے اللہ تعالیٰ مال و دولت عطا فرمائے اور تو (اس مال و دولت کی وجہ سے) اس کی عبادت سے مُنہ پھیر لے تو دنیا و آخرت میں اللہ تعالیٰ تیرے لیے حجابات قائم کر دے گا، اور ممکن ہے اللہ تعالیٰ تجھ سے مال و دولت کی وہ نعمت بھی چھین لے اور تیری حالت بدل ڈالے اور منعمِ (حقیقی) سے مُنہ موڑ کر اس کی دی ہُوئی نعمت کی طرف مشغول ہونے کی سزا کے طور پر وہ تجھے مسکین کر دے، اور اگر تُو نے مال و دولت کو عبادتِ الٰہی کے فرائض کی بجا آوری میں حائل نہ ہونے دیا، تو وہ مال (ہمیشہ کے لیے) تجھے بخش دیا جائے گا اور اس میں سے ذرہ بھر کمی نہ ہو گی۔ مال و دولت تیرے خادم اور تُو اپنے مولیٰ کا خادم ہو گا، چنانچہ تو دنیا میں ناز و نعمت کی زندگی گزارے گا اور آخرت میں بھی جنت الماویٰ میں اعزاز و اکرام کے ساتھ صدیقین، شہداء اور صالحین کی رفاقت میں ہو گا۔

(۱۳) تسلیم و رضا

نعمتوں کے حصول اور مصائب سے بچنے کی کوشش نہ کر، نعمتیں اگر تیرا مقدر ہیں تو وہ تجھے مل کر رہیں گی چاہے تُو انھیں طلب کرے یا ناپسند کرے[1]۔ اسی طرح اگر مصیبت تیری قسمت میں ہے اور تیرے لیے اس کا فیصلہ ہو چکا ہے تو خواہ تُو اسے ناپسند کرے یا دُعا کے ذریعے اسے ہٹانا چاہے یا صبر اور جلدی جلدی اللہ کو راضی کرنے کی کوشش کرے تو بھی وہ مصیبت تجھ پر آ کر رہے گی بلکہ اپنے تمام امور خدا ہی کے سپرد کر دے تاکہ وہ خود تیرے اندر جلوہ گر ہو۔ اگر تجھے نعمتیں عطا ہوں تو شکر بجا لاتا رہ اور اگر آزمائش آ جائے تو صبر کر یا بتکلف صبر پیدا کر، اور اللہ تعالیٰ کی رضا اور قرب کی خاطر اس آزمائش کو نعمت سمجھ! بالخصوص اس میں معدوم اور فنا ہو جا، اور یہ معدومیت ان حالات کے اندازے کے مطابق ہو جن سے تُو دوچار رہے اور جن سے تو اس خدا کے قُربِ منازل کی طرف

---

[1] مصری نسخے عبارت یُوں ہے: فالنعماء الیک جبکہ دوسرے نسخے میں فالنعماء واصلۃ الیک ہے، ہم نے اسی کے مطابق ترجمہ کیا ہے۔

منتقل کیا جا رہا ہے جس کی عبادت اور جس سے تعلق کا تجھے حکم دیا گیا ہے؛ تاکہ "رفیق اعلیٰ" تک تیری رسائی ہو جائے اور اس وقت تجھے سلف صالحین، صدیقین اور شہداء کے مقام پر فائز کر دیا جائے اور تو اپنے سے پہلے بارگاہِ خداوندی کی طرف گزر جانے والے ان بزرگوں کے منازل اور مقامات کا مشاہدہ کرے، جنھوں نے قربِ خداوندی کی سعادت حاصل کی، اور اس کی بارگاہ سے نعمتیں، مسرتیں اور امن و اعزاز کے انعامات حاصل کیے، مصائب کو اپنی طرف آنے دے، ان کا راستہ چھوڑ دے، اور دعاؤں کے ذریعے اُن کی راہ بند نہ کر[2] مصائب کے آنے پر کسی قسم کی جزع فزع نہ کر کیونکہ ان مصائب و آلام کی تکلیفیں دوزخ کی آگ سے زیادہ تکلیف دہ نہیں ہیں۔ زمین و آسمان میں رہنے والوں میں سب سے عظیم المرتبت ہستی اور مخلوق کے آقا و مولیٰ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے کہ "دوزخ مومن سے کہے گی اے مومن! جلدی گزر جا کہ تیرے نُور کی چمک میرے شعلے کی بھڑک کو بجھا رہی ہے۔" کیا مومن کا وُہ نور جو دوزخ کی آگ بجھا رہا ہے وہی نور نہیں ہے جس سے دنیا میں بھی مومن شاد کام تھا، اور یہی نور مطیع و عاصی کے درمیان باعثِ امتیاز ہے۔ بس یہی نور تیرے مصائب و آفات کے شعلوں کو بجھائے گا۔ لہٰذا تجھے چاہیے (ایسا مقام پیدا کر) کہ رضائے الٰہی کے حصول اور صبر کی ٹھنڈک سے اپنے مصائب کی حدت اور گرمی بجھا دے، یہ آزمائش تجھے ہلاک کرنے کے لیے نہیں بلکہ تجھے آزمانے، تیرے ایمان کی استقامت کا جائزہ لینے، تیرے ایقان کی بنیادیں مضبوط کرنے[2]، اور تجھے تجھ پر اللہ تعالیٰ کے اظہارِ فخر کی خوشخبری دینے آئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

ولنبلونکم حتّٰی نعلم المجاھدین منکم والصابرین ونبلوا اخبارکم[3] (اور ضرور

---

[1] مصری نسخے میں عبارت یوں ہے ولا تقف ولا تجزع ہے۔ لاہور والے نسخے میں ولا تقف بدعائک فی وجھھا ہے۔ ہم نے اسی کے مطابق ترجمہ کیا ہے۔

[2] لاہور نسخے کی عبارت تؤید قاعدۃ یقینک ہے جبکہ مصری نسخے میں توثیق عروۃ یقینک ہے ہم نے موخر الذکر کے مطابق ترجمہ کیا ہے۔

[3] محمد: ۳۱

ہم تجھے جانچلیں گے یہاں تک کہ دیکھ لیں تمہارے جہاد کرنے والوں اور صابروں کو اور تمہاری خبریں آزمالیں)

پھر جب اللہ کے ساتھ تیرا ایمان پختہ ہوگیا[1] اور اس کی تقدیر پر پورے یقین کے ساتھ تو راضی ہوگیا، اور یہ اس کی طرف سے ہی توفیق ارزانی اور فضل واحسان کے نتیجے میں ہوتا ہے، تو تُو ہمیشہ کے لیے صابر اور اس کے احکام کے آگے سرِ تسلیم خم کردے، اپنے لیے اور کسی دُوسرے کے لیے کوئی ایسی بات پیدا نہ کر جو امر ونہی کے دائرے سے باہر نکلی ہُوئی ہو اور جب اللہ تعالیٰ کے کسی حکم کا کوئی معاملہ آجائے تو اُسے غور سے سُن اور بجالانے میں جلدی کر حکم سن کر آرام سے نہ بیٹھ بلکہ اس کی ادائیگی کے لیے فوراً کوشاں ہوجا۔ اس موقع پر فعلِ خداوندی اور تقدیر کا بہانہ نہ بنا بلکہ حکم خداوندی کی ادائیگی کے سلسلے میں اپنی پوری کوشش اور طاقت خرچ کر، اپنی پوری کوشش کے باوجود بھی اگر امرِ الٰہی کی بجاآوری میں کمی یا کوتاہی رہ جائے تو عاجزی وزاری کے ساتھ خدا سے التجا کر اور معافی مانگ، اور حکم خداوندی کی تعمیل میں کوتاہی اور عبادت الٰہی کے شرف سے محرومی[2] کے اسباب پر غور کر، شاید کہ احکام الٰہی میں یہ کوتاہی تیرے بلند بانگ دعووں کی نحوست[3]، دورانِ عبادت بے ادبی، تکبر، اپنی قوت وبڑائی کے فخر، اعمال پر خود بینی اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنے نفس اور مخلوق کو شریک کرنے کے سبب ہو، اور اللہ نے تجھے اپنے دروازے سے دُور کردیا ہو، اور اپنی عبادت وخدمت سے معزول کردیا ہو، اور اس نے اپنی توفیق کی امداد تجھ سے روک لی ہو، اور تجھ سے اپنی عنایات والطاف اٹھالی ہوں اور ناراضگی کے سبب تجھے تیری دنیا کی آزمائش، خواہشات اور آرزوؤں امیدوں میں مشغول کردیا ہو، تمہیں علم نہیں کہ یہ ساری چیزیں تجھے اپنے مولیٰ سے غافل کردینے والی اور جس نے تجھے پیدا کیا اور پرورش کی

---

[1] مصری نسخے میں عبارت اس طرح ہے فاذا ثبت مع الخلق ایمانك اور یہ بالکل غلط ہے۔

[2] مصری نسخے میں یہاں وصدك عن التشوق لطاعته ہے جبکہ دوسرے نسخے میں وصدك من التشرف بطاعته ہے اور یہی زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے۔

[3] مصری نسخے میں لعل ذلك لشوم دعائك ہے جو غلط ہے صحیح لشوم دعاویك ہے۔

اور پھر دنیوی مال و متاع کا مالک بنایا اور عنایات کیں اس کی نظرِ کرم سے محروم کر دینے والی ہیں۔
خیال کر، تاکہ یہ چیزیں (غیر اللہ) تجھے اپنے رب سے غافل نہ کر دیں، اللہ کے سوا ہر شے غیر اللہ ہے
تو اللہ کے مقابلے میں غیر اللہ کو قبول نہ کر، اس لیے کہ اس نے تجھے اپنے لیے پیدا کیا ہے! غیر اللہ
میں مشغولیت و محویت کی وجہ سے اللہ سے اعراض کر کے اپنے اوپر ظلم نہ کر، ورنہ اللہ تجھے ایسی آگ
میں جھونک دے گا جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں، اس وقت تو شرمندہ ہوگا مگر یہ ندامت کوئی
فائدہ نہیں دے گی، اس وقت تو معذرت پیش کرے گا لیکن تیرا کوئی عذر قبول نہ ہوگا، فریاد
کرے گا لیکن فریاد رسی نہیں ہوگی، اللہ تعالیٰ کی رضا طلب کرے گا مگر خدا راضی نہیں ہوگا، اپنی
غلطیوں کی اصلاح اور کوتاہیوں کے ازالے کے لیے تو دنیا میں واپس ہونا چاہے گا لیکن ایسا
نہیں ہو سکے گا۔ اپنے آپ پر رحم کھا اور شفقت کر، اور عقل و علم ایمان و معرفت کی صورت میں
تجھے جو آلات عطا کیے گئے ہیں انھیں اطاعتِ الٰہی کے کام میں استعمال کر، انہی ہتھیاروں
کی مدد سے تقدیرِ الٰہی کے اندھیروں میں (اپنے مصائب کے بارے میں) نورِ ہدایت طلب کر
اور امر و نہی کی پابندی کر، اور ان کے ذریعے سے اپنے مولیٰ کا قرب حاصل کر، امر و نہی کے
علاوہ تمام امور اسی ذات کے سپرد کر دے جس نے تجھے پیدا کیا اور وجود بخشا، اور جس نے
تجھے مٹی سے پیدا کیا، پھر پرورش کی، پھر پانی کے قطرے سے ایک مکمل انسان کی صورت
میں بنایا، اس کی نافرمانی نہ کر، اس کے حکم کے خلاف کوئی ارادہ کر اور نہ اس کی نہی کے بغیر
کسی چیز کو برا سمجھ۔ دنیا و آخرت میں احکامِ خداوندی پر اکتفا کر، اور دونوں مقامات میں
اس کی منع کی ہوئی چیزوں کو برا جان، تیری ہر مراد اسی مراد کے تابع اور ہر مکروہ اس مکروہ کے
ساتھ وابستہ ہو، جب تو حکمِ الٰہی کا پابند ہو جائے گا تو تمام کائنات تیرے حکم کی تابع ہوگی،
جب تو اس کی منع کردہ چیزوں کو برا سمجھے گا، تو جہاں کہیں بھی ہوگا تمام ناپسندیدہ اشیاء تجھ سے
دور ہو جائیں گی، اللہ تعالیٰ نے اپنی بعض کتابوں میں فرمایا ہے کہ اے اولادِ آدم! میں اللہ
ہوں، میرے سوا کوئی معبود نہیں، جس چیز کو کہہ دیتا ہوں کُن وہ ہو جاتی ہے لہٰذا تو میری اطاعت
کر تاکہ تجھے بھی اپنی طرح بنا دوں کہ تو جس چیز کے ہونے کا حکم کرے وہ ہو جائے اور فرمایا کہ
اے دنیا! جو میری طلب کرے تو اس کے پیچھے بھاگ اور جو تیرے پیچھے بھاگے اسے ہمیشہ

پریشان رکھ! جس وقت خدا تعالیٰ کی نہی کی بات آ جائے تو اس کے آگے سر تسلیم خم، بے بس، زخمی دل، (اس کے علاوہ) تنگ سینہ، مُردہ جسم، خواہشات اور روایات سے پاک، بشری عوارضات سے مُبّرا، شہوات سے آزاد، گِرے ہوئے تاریک خالی مکان کا ساکن، اور معدوم و بے نشان ہو جا، اس وقت گویا تیرے کان (اس امرِ الٰہی کے علاوہ سننے سے) بہرے تیری آنکھیں پٹی بندھی ہوئی دُکھیاری یا مادر زاد اندھی ہو جائیں، اور تیرے ہونٹ (اس کے متعلق کچھ بولنے سے) زخمی یا سوجے ہوئے ہوں، اور تیری زبان کی کیفیت یہ ہو گویا گونگی یا توتلی ہے، اور تیرے دانتوں کی مثال ایسے ہو گویا تکلیف اور درد کی وجہ سے ان کے مسوڑھوں میں پیپ بھری ہے اور تیرے ہاتھ شَل اور کسی چیز کو پکڑنے یا اُٹھانے سے عاجزی کی صورت اختیار کیے ہوئے ہوں، تیرے دونوں پاؤں زخمی (امرِ الٰہی کی مخالفت میں چلنے سے) اور لرزیدہ و شَل ہوں، تیری نفسانی خواہشات ختم ہو کر رہ جائیں اور یُوں معلوم ہو کہ یہ قوت اس کے علاوہ کسی اور بات کی طرف لگی ہُوئی ہے اور تیرے پیٹ کی کیفیت یہ ہو کہ گویا سیر ہے اسے کھانے کی کوئی خواہش ہی نہیں ہے، تیری عقل پر جنون اور جسم ایسے مُردے کی طرح ہو جائے جسے قبر کی طرف اٹھا کر لایا گیا ہو، تجھے احکامِ الٰہی کو غور سے سُن کر اُن کی ادائیگی کے لیے جلدی کوشش کرنی چاہیے، اسی طرح قضا و قدر کے سامنے فانی اور معدوم سمجھ کر منہیات سے اپنے آپ کو روکنا چاہیے۔ (اپنے مرض میں) دوا کے طور پر یہی شربت استعمال کر، اور (بیمار جسم کے لیے) یہی غذا رکھ۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور اس کے حکم سے نفسانی خواہشات اور گناہوں کی تمام بیماریوں سے تجھے شفائے کاملہ نصیب ہو گی

(۱۴) مقبولانِ بارگاہ

اے خواہشات کے پُجاری! مقبولانِ بارگاہ کی ہمسری کا دعوٰی نہ کر، اس لیے کہ تو اپنی خواہشات کی پیروی کرتا ہے اور وُہ اپنے مولیٰ کے مطیع و فرمانبردار ہیں، تیرا مطمحِ نظر دنیا ہے جبکہ ان کا منتہا و مقصود عُقبیٰ ہے، تیری نگاہ دنیا پر ٹکی ہُوئی ہے جبکہ وُہ آسمان و زمین کے پروردگار کے دیدار کی تجلّیات سے مشرف ہیں۔ تیرا دلی لگاؤ مخلوق کے ساتھ ہے جبکہ

ان کا روحانی رشتہ مالکِ عرش کے ساتھ وابستہ ہے تو دنیا (کے ساز و سامان) میں جس چیز کو دیکھتا ہے اس کا گرفتار ہو جاتا ہے لیکن اُن کی نگاہ متاعِ دنیا پر نہیں بلکہ ان کے خالق پر ہوتی ہے جسے ظاہری آنکھوں سے نہیں (بلکہ دیدۂ باطن سے) دیکھا جا سکتا ہے۔ وہ (گروہِ اصفیاء متاعِ دنیا سے) نجات حاصل کر کے فائز المرام ہو گئے لیکن تُو ابھی تک اپنی خواہشات میں گرفتار اور اسبابِ دنیا کا اسیر ہے، وہ مخلوق، خواہشات اور ارادے و آرزوں سے نکل کر خدائے برتر کے قُرب کی سعادت حاصل کر گئے اور اللہ نے انھیں منتہائے عبادت یعنی طاعت، حمد اور ثنا کے بلند مقامات پر فائز کر دیا، یہ اللہ کا فضل و کرم ہے جسے وُہ چاہتا ہے عطا کرتا ہے، چنانچہ وُہ طاعت اور حمد و ثنا پر ہمیشہ کے لیے کاربند ہو گئے اور وہ اس میں اللہ کی توفیق اور عنایت سے کسی تکلیف اور مشقت کے بغیر نہایت آسانی کے ساتھ مصروف رہے، یہاں تک کہ عبادت اور طاعت ان کی رُوح اور غذا بن گئی اور دنیا اُن کے لیے نعمت اور سرور بن گئی[1] گویا دنیا ان کے لیے بہشت ہے اس لیے کہ وہ متاعِ دنیا میں سے کسی بھی چیز کو دیکھتے وقت اس کے خالق اور پیدا کرنے والے کے فعل پر نظر رکھتے ہیں (بس یہی وہ مبارک لوگ ہیں کہ) ان سے زمین و آسمان کا ثبات اور انہی کے ذریعے زندوں اور مُردوں کا آرام و سکون قائم ہے کیونکہ انھیں اللہ تعالیٰ نے اپنی زمین کے لیے ایک مرکز بنایا ہے، اور یہ ایسے پہاڑ کی طرح ہیں جو اپنی جگہ قائم ہے لہٰذا جنھیں ماں باپ اور آل اولاد بھی اپنے ارادے سے باز نہیں رکھ سکی، تو بھی ان کے راستے میں آ کر مزاحمت نہ کر، وُہ اپنے رب کی بہترین مخلوق ہیں، جنھیں اس نے پیدا کر کے (فیضان کے لیے) زمین میں پھیلا دیا ہے جب تک یہ زمین و آسمان قائم ہیں، اللہ کی طرف سے ان پر سلامتی و رحمت کا نزول ہو۔

(۱۵) خوف و رجاء

ایک دفعہ میں نے خواب میں دیکھا کہ میں مسجد کی مانند ایک جگہ میں ہوں اور اس میں کچھ

---

[1] مصری نسخے میں عبارت اس طرح ہے وصارت الدنیا اذ ذاک فی حقھم نقمة وحزنًا اپنے سیاق کے لحاظ سے یہ غلط ہے، صحیح فی حقھم نعمةٌ وحزنًا ہے۔

لوگ عام مخلوق سے الگ تھلگ بیٹھے ہیں، میں نے کہا اگر یہاں فلاں بزرگ ہوتا تو وہ انھیں ہدایت کرتا اور ادب سکھاتا، اتنے میں وہ میرے اردگرد جمع ہو گئے اور ان میں سے ایک کہنے لگا آپ کو کیا ہے، آپ ہمیں کیوں نہیں سمجھاتے؟ میں نے کہا اگر تمھارا خیال ہے تو بسم اللہ! پھر میں نے اپنی گفتگو اس طرح شروع کی "اگر تم مخلوق سے اپنے تمام تعلقات منقطع کر کے حق کی طرف آئے ہو تو پھر اپنی زبان سے بھی لوگوں سے کچھ نہ مانگو، اور جب تم نے کسی سے سوال نہ کرنے کا عزم کر لیا ہے تو دل سے بھی سوال نہ کرو، اس لیے کہ دل کا سوال زبان کے سوال کی طرح ہے اور اچھی طرح جان لو کہ تغیر و تبدل اور عزت و ذلت کے بارے میں ہر روز اللہ تعالیٰ کی نئی شان ہوتی ہے، ایک جماعت کو مقام علیین کی رفعت عطا فرماتا ہے تو دوسری کا ٹھکانہ اسفل السافلین بناتا ہے، پھر علیین والوں کو اسفل السافلین میں گرانے کی دھمکی دیتا ہے، اس وقت ان کی آرزو اور امید یہ ہوتی ہے کہ انھیں اپنی حالت پر باقی رکھتے ہوئے علیین ہی میں رہنے دیا جائے، دوسری طرف اسفل السافلین والوں کو ہمیشہ اسی حالت میں رکھنے سے ڈرا کر انھیں اعلیٰ علیین کا امیدوار بناتا ہے"۔ اس کے بعد میں خواب سے بیدار ہو گیا۔

(۱۶) توکل اور رزق حلال

تُو لوگوں پر بھروسہ کرنے اور اسباب کسب و ہنر پر تکیہ کرنے کی وجہ سے ہی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور بلا واسطہ اس کی عنایت سے محروم ہوا ہے۔ مخلوق حلال روزی جو کہ اپنے کسب سے حاصل ہوتی ہے سے تیرے لیے حجاب اور رکاوٹ کا سبب ہے، اس لیے جب تک مخلوق سے تیرا یہ رشتہ قائم ہے یعنی تو ان کے دستِ بخشش و عطا پر اپنی نگاہیں لگائے ہوئے ہے اور اپنی ضرورتوں کے لیے اُن کے دروازوں کے طواف کر رہا ہے، تو تُو اللہ کے ساتھ مخلوق کو شریک ٹھہرانے کے جرم کا ارتکاب کر رہا ہے، اس وقت اللہ تعالیٰ تجھے رزقِ حلال یعنی اپنے کسب سے روزی نہ کمانے کی وجہ سے سزا دے گا، اگر تُو نے اپنے وسائل رزق کی مخلوق کے ساتھ وابستگی منقطع کر لی اور اس طرح مخلوق کو اس کا شریک بنانے سے توبہ کر کے حلال روزی کے کسب میں مشغول ہو گیا اور حلال روزی ہی کو اپنی غذا بنایا، اور اس پر مطمئن ہو گیا لیکن ان ساری باتوں کے باوجود اتنے

پروردگار کے فضل و عنایت کو بھول گیا، تب بھی تو مشرک ہے، مگر یہ شرک پہلے کے مقابلے میں بہت معمولی ہے چنانچہ اس وقت اللہ تعالیٰ تجھے اپنے خاص فضل اور عنایت سے حجاب میں رکھے گا، اور سزا دے گا، پھر جب تو نے اس سے بھی توبہ کر لی، اور شرک کو درمیان سے دُور کر دیا، اور اپنی قوت، اسباب اور ہنر پر اعتماد کی بجائے تو نے سمجھ لیا کہ اللہ تعالیٰ ہی رازق، مسبب الاسباب، اور (مشکلات میں) آسانی پیدا کرنے والا ہے، اور رزق حلال کی توفیق اسی بلند و بالا ذات کی طرف سے ہی ارزانی ہوتی ہے، تمام بھلائیوں کی توفیق وہی عطا کرتا ہے اور رزق کے سارے خزانے اسی کے ہاتھ میں ہیں، کبھی تو وہ محنت اور کسب کے ذریعے اور کبھی بلا واسطہ و سبب محض اپنے خصوصی فضل سے عطا فرما دیتا ہے، پس اگر تو سب کچھ چھوڑ کر اللہ کی طرف لوٹا، اور اپنے آپ کو اس کے سپرد کر دیا، تو اس وقت اللہ تیرے اور اپنے فضل کے درمیان حجابات اُٹھا لے گا۔ تیرے حسب حال نعمت میں زیادتی عطا فرمائے گا اور اپنی عنایت سے اس طرح ہر مشکل آسان کر دے گا جیسے ایک مہربان اور دوست طبیب مریض کے لیے تدابیر کرتا ہے، یہ اللہ تعالیٰ کی خاص امداد ہے جس کے ذریعے وہ تجھے غیر کی طرف مائل ہونے سے بچاتا ہے اور تجھے اپنے فضل و کرم سے مسرور کرتا ہے، جب تیرے دل سے تمام ارادے، خواہشات اور مطالب مٹ جائیں گے تو اللہ کے ارادے کے سوا تیرے دل میں کچھ باقی نہیں رہے گا، اور جب وُہ چاہے گا کہ تیرا وُہ حصہ جو تیرے لیے مقدر ہو چکا ہے اور جس میں تیرے بغیر کسی دُوسرے کا کوئی حصہ نہیں ہے تجھے عطا فرمائے تو وہ تیرے دل میں اس کی طلب اور خواہش پیدا کر دے گا، اور حاجت کے وقت تجھے تیرا وُہ حصہ مرحمت فرما دے گا۔ اس کے بعد شکر ادا[1] کرنے کی توفیق عطا فرمائے گا، اور جتلا دے گا کہ یہ نعمت اسی کی طرف سے ہے اور وہی اس کا بھیجنے والا اور عطا کرنے والا ہے۔ اس وقت تو اللہ کا شکر بجا لائے گا اور اچھی طرح جان لے گا چنانچہ یہ چیزیں تجھے لوگوں سے بے تعلق اور دور رہنے اور تیرے دل کے ماسوی اللہ سے خالی

---

[1] مصری نسخے کی عبارت اس طرح ہے ثم یوفقك ویعرفك انه منه اس میں شکر کا ذکر نہیں ہے، شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی شرح کا متن یوں ہے ثم یوفقك بشکرہ ویعرفك انه منه۔

رہنے کا موجب بنیں گی۔ اس کے بعد جب تیرا علم اور یقین پختہ ہو جائے گا، تیرا سینہ کھل جائے گا قلب منور ہو جائے گا بارگاہِ ایزدی میں تیرا مقام بلند اور قرب زیادہ ہو جائے گا اور تیری لیاقت و امانت اسرارِ الٰہی کی حفاظت کی وجہ سے بڑھ جائے گی، تو اس کے فضل و کرم اور عنایت سے تیری شرافت اور بزرگی کے باعث تیرا حصہ ملنے سے پہلے تجھے بتلا دیا جائے گا کہ تیرا حصہ کب آئے گا، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وجعلنا منہم ائمۃ یہدون بامرنا لما صبروا وکانوا بآیاتنا یوقنون[1]

(اور ہم نے ان میں سے کچھ امام بنائے کہ ہمارے حکم سے بتاتے جبکہ انھوں نے صبر کیا اور وہ ہماری آیتوں پر یقین لائے تھے)

اسی طرح دوسری جگہ ارشاد ہے:

والذین جاہدوا فینا لنہدینہم سُبلنا[2] (اور جنھوں نے ہماری راہ میں کوشش کی ضرور ہم انھیں اپنے راستے دکھائیں گے)

ایک اور مقام پر ارشاد ہے:

واتقوا اللہ ویعلمکم اللہ[3] (اور اللہ سے ڈرو اور اللہ تمھیں سکھاتا ہے)

پھر تجھے ظاہری اجازت کے ساتھ جس میں کسی شک و شبہ کا غبار نہ ہوگا، ایسی دلیل کے ساتھ جو آفتاب کی طرح روشن ہوگی، ایسے لذیذ کلام کے ساتھ جو ہر لذیذ شے سے زیادہ لذیذ ہوگا، اور ایسے الہام کے ساتھ جو بلا شبہ سچا ہے اور خطرات نفسانی اور شیطان لعین کے وسوسوں سے پاک و صاف ہے عالم میں تصرفات کی قوت بخشی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی بعض کتابوں میں فرمایا ہے:

یا ابن آدم انا اللہ لا الٰہ الا انا اقول للشئ کن فیکون اطعنی اجعلک تقول للشئ کن فیکون۔ اے بنی آدم میں اللہ ہوں، میرے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، میں جس چیز کو کہتا ہوں ہو جا وہ ہو جاتی ہے، میری فرمانبرداری کر تاکہ تجھے بھی ایسا بنا دوں کہ تو جس چیز کو

---

[1] السجدہ: ۲۴ [2] عنکبوت: ۶۹ [3] البقرہ: ۲۸۲

کہے ہو جا وہ ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے اکثر انبیاء واولیاء اور بنی آدم میں سے اپنے دوسرے مقبول بندوں کو یہی مقام عطا فرمایا ہے۔

(۱۷)۔ واسطۂ مُرشد

اللہ تعالیٰ کی توفیق اور اس کے فضل سے جب تو اس کی بارگاہ تک پہنچ گیا اس کی بارگاہ تک پہنچنے کے معنٰی یہ ہیں کہ تمام مخلوق اور اپنے ارادہ وخواہشات سے باہر نکل آئے، اور اس کے ارادہ اور قدرت میں اس طرح فنا ہو جائے کہ نہ تجھ اپنے اندر کسی عمل وحرکت کا اختیار باقی رہے اور نہ تیرے ذریعے مخلوق میں (ارادہ وفعل ایزدی کے بغیر) کوئی حرکت ہو، بلکہ ہر حکم اور فعل اللہ ہی کے ارادہ ومنشائے سے عمل میں آئے، یہی وہ فنا کی حالت ہے جسے وصول الی اللہ سے موسوم کیا جاتا ہے اور بارگاہِ الوہیت کا یہ وصول مخلوقات میں سے کسی کی طرف معروف طریقوں کے وصول کی طرح نہیں ہے۔ ارشاد ہے:

لیس کمثلہ شئ وھو السمیع البصیر[۱]۔ اللہ جل شانہٗ کی شان اس سے کہیں بلند و بالا ہے کہ اسے اس کی مخلوقات پر قیاس کیا جائے یا ان کے ساتھ اسے تشبیہ دی جائے اور بارگاہِ ایزدی تک رسائی تو اللہ کی توفیق سے اہل وصول کے ہاں معروف ہے۔ اس بارگاہِ قدس میں رسائی حاصل کرنے والا ہر واصل دوسرے سے الگ ہے اس میں کوئی کسی کا شریک نہیں۔ اس سلسلے میں تمام رُسل، انبیاء اور اولیاءُ کے مقامات علیحدہ علیحدہ ہیں، ان میں سے کوئی بھی دوسرے کے اسرار سے آگاہ نہیں ہوتا، یہاں تک کہ اس راہ میں تو بسا اوقات شیخ اپنے مرید کے مقام سے آشنا نہیں ہوتا اور ایسا مرید جس کی روحانی سیر اپنے شیخ کی بلندیوں کی چوکھٹ کو چھو رہی ہوتی ہے، ابھی شیخ کے مرتبے کا تعین نہیں کر پاتا، پھر جب مُرید شیخ کے مقام کو پہنچ جاتا ہے تو وہ شیخ سے علیحدہ کر دیا جاتا ہے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ اسے تمام مخلوق سے جُدا کر کے اپنی دوستی کے قُرب میں لے لیتا ہے اس وقت شیخ کی مثال اس

---

[۱] شوریٰ : ۱۱

کے ہو جاوہ ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے اکثر انبیاء واولیاء اور بنی آدم میں سے اپنے دوسرے مقبول بندوں کو یہی مقام عطا فرمایا ہے۔

(۱۷)۔ واسطۂ مُرشد

اللہ تعالیٰ کی توفیق اور اس کے فضل سے جب تو اس کی بارگاہ تک پہنچ گیا اس کی بارگاہ تک پہنچنے کے معنٰی یہ ہیں کہ تمام مخلوق اور اپنے ارادہ و خواہشات سے باہر نکل آئے، اور اس کے ارادہ اور قدرت میں اس طرح فنا ہو جائے کہ نہ تجھ اپنے اندر کسی عمل و حرکت کا اختیار باقی رہے اور نہ تیرے ذریعے مخلوق میں (ارادہ و فعل ایزدی کے بغیر) کوئی حرکت ہو، بلکہ ہر حکم اور فعل اللہ ہی کے ارادہ و منشاء سے عمل میں آئے، یہی وہ فنا کی حالت ہے جسے وصول الی اللہ سے موسوم کیا جاتا ہے اور بارگاہِ الوہیت کا یہ وصول مخلوقات میں سے کسی کی طرف معروف طریقوں کے وصول کی طرح نہیں ہے۔ ارشاد ہے:

لیس کمثلہٖ شیئٌ وھو السمیع البصیر۔[1] اللہ جل شانہٗ کی شان اس سے کہیں بلند و بالا ہے کہ اسے اس کی مخلوقات پر قیاس کیا جائے یا ان کے ساتھ اسے تشبیہ دی جائے اور بارگاہِ ایزدی تک رسائی تو اللہ کی توفیق سے اہلِ وصول کے ہاں معروف ہے۔ اس بارگاہِ قدس میں رسائی حاصل کرنے والا ہر واصل دوسرے سے الگ ہے اس میں کوئی کسی کا شریک نہیں۔ اس سلسلے میں تمام رُسل، انبیاء اور اولیاءؒ کے مقامات علیحدہ علیحدہ ہیں، ان میں سے کوئی بھی دوسرے کے اسرار سے آگاہ نہیں ہوتا، یہاں تک کہ اس راہ میں تو بسا اوقات شیخ اپنے مرید کے مقام سے آشنا نہیں ہوتا اور ایسا مرید جس کی روحانی سیر اپنے شیخ کی بلندیوں کی چوکھٹ کو چھُو رہی ہوتی ہے، بھی شیخ کے مرتبے کا تعین نہیں کر پاتا، پھر جب مُرید شیخ کے مقام کو پہنچ جاتا ہے تو وہ شیخ سے علیحدہ کر دیا جاتا ہے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ اسے تمام مخلوق سے جُدا کر کے اپنی دوستی کے قُرب میں لے لیتا ہے اس وقت شیخ کی مثال اس

---

[1] شوریٰ: ۱۱

دُودھ پلانے والی دایہ کی ہوتی ہے کہ جس کا بچہ دو سال کے بعد دُودھ پینا چھوڑ چکا ہوتا ہے، خواہش و ارادہ کے ختم ہونے کے بعد مخلوق سے کسی قسم کا کوئی تعلق نہیں رہتا۔ شیخ کی ضرورت اس وقت تک رہتی ہے جب تک خواہش و ارادہ باقی ہے تاکہ شیخ مرید کو خواہش و ارادہ کے چکر سے نکال سکے۔ خواہش و ارادہ کے ختم ہو جانے کے بعد شیخ کی احتیاج باقی نہیں رہتی، کیونکہ اس وقت مرید میں کسی قسم کی کمی اور کوتاہی باقی نہیں ہوتی، جب تجھے وصالِ حق نصیب ہو گیا جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے تو ہمیشہ کے لیے ماسوی اللہ سے بے خوف ہو جا، اس کے بغیر کسی بھی چیز کا وجود حقیقی نہ سمجھ اور اپنے نفع و نقصان، منع و عطاء اور خوف و رجاء میں اللہ تعالیٰ پر ہی تکیہ رکھ، پھر تو ہمیشہ دستِ قدرت پر نگاہ رکھ، اس کے حکم کا منتظر اور اس کی طاعت میں مشغول رہ، دنیا و مافیہا سے علیحدہ رہ اور مخلوق میں سے کسی چیز کے ساتھ دل نہ لگا اور تمام مخلوق کو اس شخص کی طرح عاجز سمجھ جسے وسیع سلطنت کے مالک، سخت گیر اور رعب و قوت والے بادشاہ نے گردن اور پاؤں میں بیڑیاں ڈال کر قید کر لیا ہو، اور اسے ایک وسیع و عریض اور تیز بہاؤ والی نہر کے کنارے صنوبر کے درخت پر سولی پر لٹکا دیا ہو، اور یہ بادشاہ ایک بلند اور عام لوگوں کی رسائی سے بالاتخت پر فروکش ہو، اس کے اردگرد تیروں، کمانوں، نیزوں اور دیگر قسم کے ایسے ہتھیاروں کے انبار لگے ہوں کہ جن کی صحیح مقدار کا علم بھی بادشاہ کے علاوہ کسی کو نہ ہو، ایسے میں یہ بادشاہ سولی پر لٹکائے جانے والے معتوب شخص پر اپنی مرضی کے مطابق ان ہتھیاروں میں سے اٹھا اٹھا کر پھینک رہا ہو۔ اس صورتِ حال میں اس شخص کو کون اچھا سمجھے گا جو بادشاہ سے نظریں پھیر لے اس کی پروا نہ کرے اور سُولی پر لٹکے ہُوئے شخص سے ڈرے بھی سہی اور اپنی امیدیں بھی وابستہ کرے، جو بھی شخص اس طرزِ عمل کا مظاہرہ کرے آخر عقل و خرد کی دنیا میں اُسے بے عقل، دیوانہ، جانور اور بیوقوف نہیں سمجھا جائے گا تو اور کیا سمجھا جائے گا۔ بصیرت کے بعد محجوبیت، وصال کے بعد جُدائی، قُرب کے بعد دُوری، ہدایت کے بعد گمراہی اور ایمان کے بعد کفر سے ہم بارگاہِ خداوندی میں سے پناہ مانگتے ہیں جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے دنیا ایک بڑی نہر کی مانند ہے، ہر روز اس کا پانی بڑھ رہا ہے اور پانی انسانوں کی وُہ شہوات اور لذتیں ہیں جو انہیں حاصل ہوتی رہتی ہیں، تیر اور دُوسرے مختلف ہتھیار وُہ مصائب ہیں جو تقدیرِ الٰہی سے انسان پر نازل

ہوتے رہتے ہیں، دنیا میں انسان پر مصائب، آزمائشیں اور سختیاں مقدر ہیں، آرام وراحت اور نعمت ولذت میں سے جو کچھ اسے ملتا ہے وہ بھی آفات سے خالی نہیں، اگر کوئی ذی شعور آدمی ان پر غور کرے تو اس پر یہ حقیقت منکشف ہو جائے گی کہ آخرت کے سوا کوئی حیات نہیں ہے

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

لاعیش اِلاّ عیش الآخرۃ (اُخروی زندگی کے مقابلے میں دنیوی زندگی کا عیش کوئی حقیقت نہیں رکھتا) یہ بالخصوص مومنین کے لیے ہے۔

اسی طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: الدنیا سجن المومنین وجنۃُ الکافر (دنیا مومن کے لیے قید خانہ اور کافر کے لیے جنّت ہے)

نیز آپؐ کا فرمان ہے:

التّقی ملجمٌ (پرہیزگار امور دنیا سے روگرداں ہوتا ہے)

ان احادیث اور آثار کی روشنی میں دنیا کی اچھی زندگی کی تمنا کیونکر کی جائے؟ حقیقی مسرت اور خوشی مخلوق سے آزاد ہو کر بارگاہِ الوہیت سے اپنی استواری، اطاعت اور اس کے سامنے عاجزی میں ہے، اس طرح تُو دنیاوی بکھیڑوں سے بے نیاز ہو جائے گا اور تیرے اندر مہر و محبت، لُطف وراحت اور اللہ تعالیٰ کے خصوصی فضل کا ظہور ہو گا۔

(۱۸) ممانعت شکایت

میری وصیت ہے کہ تمہیں جو بھی تکلیف پہنچے دوست ہو یا دشمن کسی کے آگے اس کا شکوہ نہ کرو اور تیرے پروردگار نے تیرے ساتھ جو کچھ کیا ہے یا تجھے جس آزمائش میں ڈالا ہے اس کی وجہ سے اُس پر تہمتیں نہ دھر! بلکہ اس کی طرف سے احسان اور اس کے حضور شکریے کا اظہار کر، نعمت کے بغیر شکر کرنا جو تیرے نزدیک بظاہر جھوٹ ہے تیرے ظاہری حال کی شکایت کی خبر کے سچ سے بہتر ہے، اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے کون خالی ہے؟ ارشادِ باری ہے:

لہ مصری نسخے کی عبارت اس طرح ہے: ما نزل بك من خیر یہ غلط ہے، صحیح من ضر ہے۔

وان تعدوا نعمة اللہ لا تحصوھا[1]۔ (اور اگر اللہ کی نعمتیں گنو تو شمار نہ کر سکو گے)

تیرے پاس اللہ تعالیٰ کی کتنی نعمتیں ایسی ہیں جن کا تجھے علم بھی نہیں۔ مخلوق میں سے کسی کے ساتھ اپنا سکون وابستہ نہ رکھ نہ اُن سے اُلفت رکھ، اور نہ اپنی حالت پر کسی کو مطلع کر بلکہ تیری محبت اور تیرا آرام اسی سے اور شکوہ وشکایت بھی اسی کی بارگاہِ قدس میں ہو، مالکِ حقیقی کے بغیر کسی کو خاطر میں نہ لا، کیونکہ نفع ونقصان، عزّت وذلت، بلندی وپستی، محتاجی اور تونگری، حرکت اور سکون کسی اور سے نہیں بلکہ خدا کی مخلوق اور اس کے قبضۂ قدرت میں ہیں، اسی کے امر اور اذن سے متحرک ہیں، ہر چیز اللہ کے مقرر کردہ وقت تک رہتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے ہاں ہر شے ایک اندازہ واصول کے تحت ہے، جس چیز کو اس نے مؤخر کیا اُسے مقدم اور جسے اس نے مقدم کیا ہے اُسے موخر کرنے والا کوئی نہیں ہے۔ ارشادِ خداوندی ہے:

إِنْ يَمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهُ إِلَّا هُوَ وَإِنْ يُرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَادَّ لِفَضْلِهِ[2] (اور اگر تجھے اللہ کوئی تکلیف پہنچائے تو اس کا کوئی ٹالنے والا نہیں، اس کے سوا، اور اگر تیرا بھلا چاہے تو اس کے فضل کا رد کرنے والا کوئی نہیں)

اور اگر فضل ونعمت کے ہوتے ہوئے اس پر اکتفا نہ کرے اور آنکھیں بند کر کے زیادتی کے لیے شکایت کرے تو اللہ تعالیٰ ناراض ہوگا اور اپنی عطا کردہ فضل ونعمت بھی چھین لے گا، اور تیری شکایت فی الواقع سچ کر دکھائے گا، تیرے مصائب دوگنا کر دے گا، اور اس کی ناراضگی وغصہ تیرے لیے عذاب کا موجب ہوگی، اپنی نظرِ عنایت سے تجھے محروم کر دے گا۔ اس لیے اگر تیرے بدن کا گوشت قینچیوں سے ٹکڑے ٹکڑے کر کے کاٹا جائے تب بھی حرفِ شکایت زبان پر نہ لا، شکوہ وشکایت سے اپنے آپ کو بچا اور محفوظ رکھ، اللہ سے ڈر! اللہ سے ڈر! پھر اللہ سے ڈر! بچ! بچ! شکایت سے بچ! لوگوں پر طرح طرح کی جو مصیبتیں نازل ہوتی ہیں وہ اپنے رب کی شکایت کی وجہ سے آتی ہیں۔ اس پروردگار سے

---

[1] ابراہیم: ۳۴

[2] یونس: ۱۰۷

کس طرح شکوہ کیا جا سکتا ہے حالانکہ وہ سب مہربانوں سے زیادہ مہربان، بہترین حاکم، حلیم و خبیر، حبیب و شفیق، اپنے بندوں کے ساتھ مہربان اور شفیق طبیب کی طرح ہے، انسانوں پر ظلم نہیں کرتا، کیا مہربان اور شفیق ماں پر (بچے کی پرورش کے سلسلے میں) کوئی تہمت لگائی جا سکتی ہے؟

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

اللہ ارحم بعبدہ من الوالدۃ علیٰ ولدھا۔ (اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر اولاد پر ماں سے بھی زیادہ مہربان ہے)

اے مسکین! اچھی طرح ادب کر! آزمائش کے وقت صبر اختیار کر، اگر صبر میں کمی یا کوتاہی کا احساس ہو تو بھی صبر کر! اسی طرح اگر رضا اور موافقت میں ضعف محسوس کرے تو بھی خوشنودی اور موافقت طلب کر، اگر اب بھی تجھے اپنی ہستی کا خیال ہے تو اسے نیست و نابود کر دے۔ اے کیمیائے وجود! اگر تم کو گم کر دیا جائے تو کہاں ملے! کیا تو نے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان نہیں سنا:

کتب علیکم القتال وھو کرہٌ لکم وعسٰی ان تکرھوا شیئاً وھو خیر لکم وعسٰی ان تحبوا شیئا وھو شرلکم واللہ یعلم وانتم لا تعلمون[1] (تم پر فرض ہوا خدا کی راہ میں لڑنا اور وہ تمھیں ناگوار ہے اور قریب ہے کہ تمھیں کوئی بات بری لگے اور وہ تمھارے حق میں بہتر ہو اور قریب ہے کہ کوئی بات تمھیں پسند آئے اور تمھارے حق میں بری ہو اور اللہ جانتا ہے تم نہیں جانتے)

حقائق اشیاء کا علم اللہ نے تجھ سے اُٹھا لیا اور تیرے لیے اُسے محجوب بنا دیا، اس لیے چیزوں کے بارے میں اپنی پسند و ناپسند کو معیار بنا کر بے ادبی نہ کر۔[2] اگر تو حالت تقویٰ میں ہے تو تمام نازل شدہ چیزوں میں شریعت کی پیروی کر کیونکہ یہ (راہِ سلوک میں) قدم اوّلیں ہے، اور ولایت کی حالت ہو یا خواہشات کے فنا کی صورت دونوں میں امرِ الٰہی کی متابعت کر! اور اس سے سرِمُو تجاوز نہ کر، یہ (اس راہ کا) دُوسرا قدم ہے، کارِ خداوندی پر راضی رہ! اور

---

[1] البقرہ: ۲۱۶

[2] لاہوری نسخے کی عبارت یوں ہے "فلا تسئی الادب" اور یہ غلط ہے۔

اُس سے موافقت کر! پھر ابدالیت، غوثیت، قطبیت اور صدیقیت ایسے بلند ترین مقامات میں فنا ہو جا! راہِ قدر سے ہٹ جا اور اس کا راستہ چھوڑ دے، اپنی خواہشات اور نفس کو پھیر لے، شکوہ وشکایت سے اپنی زبان روک لے جب تو یہ طریقہ اختیار کرے گا، تو اگر وہ قدر خیر ہے تو اللہ تعالےٰ تیری زندگی پاکیزہ اور خوشی ومسرت دوبالا کر دے گا، اور اگر وہ تقدیر شر ہے تو اللہ تعالیٰ اپنی فرمانبرداری وطاعت کی حالت میں تیری حفاظت کرے گا، اور تجھ سے ہر قسم کی ملامت دُور کر دے گا، اور تجھے اپنی قضا وقدر میں محو کر دے گا۔ یہاں تک کہ وُہ گزر جائے اور جس طرح رات گزرنے پر دن نمودار ہوتا ہے اور سردیوں کے موسم کے اختتام پر گرمیاں آجاتی ہیں، اسی طرح مدت پوری ہونے کا وقت گزر جائے، یہ تیرے لیے ایک نمونہ ہے، اس سے عبرت حاصل کر! انسان میں طرح طرح کی معصیتیں اور خطائیں ہیں، لہٰذا ہر ان آلائشوں کی وجہ سے وُہ اللہ تعالیٰ سے ہم نشینی کی صلاحیت نہیں رکھتا، جب تک کہ وہ گناہوں، لغزشوں اور نجاستوں سے پاک نہ ہو جائے جو شخص نفس کے دعاوی کے میل سے صاف نہیں ہے، وُہ اس کے آستانۂ قدس کو نہیں چُوم سکتا جیسے کہ نجاستوں اور مختلف قسم کی آلائشوں سے پاک وصاف ہُوئے بغیر بادشاہ کی ہم نشینی نصیب نہیں ہو سکتی، اس لیے مصائب گناہوں کا کفارہ اور ان سے پاک وصاف کرنے کا ذریعہ ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

حمی یوم کفارۃ سنۃٍ (ایک دن کا بخار سال بھر کے گناہوں کا کفارہ ہے)

(۱۹) ایفائے عہد

اگرچہ تو ضعیف الایمان اور کمزور یقین کا مالک ہے تاہم اپنے کیے ہُوئے وعدے کو پُورا کر، قسم نہ اُٹھا تاکہ (اسے پُورا نہ کر سکنے کی صورت میں) تیرا ایمان اور یقین متزلزل نہ ہو[1]

---

[1] لاہور والے نسخے کی عبارت یُوں ہے اذا کنت ضعیف الایمان والیقین ویوعدت بوعدٍ وفی بوعدك ولا یخلف لئلا یزول ایمانك، مصری نسخے میں یہ عبارت اس طرح ہے اذا کنت ضعیف الایمان والیقین ووعدت بوعدٍ رف بوعدك ولا تحلف کیلا یزول ایمانك۔ ہم نے موخر الذکر کے مطابق ترجمہ کیا ہے۔

پھر جب تیرے دل میں ایمان و یقین قوی اور مضبوط ہو جائے اور تجھے اس قولِ خداوندی سے خطاب کیا جائے انّك الیوم لدینا مکین امین[1] (بیشک آج آپ ہمارے یہاں معزز معتمد ہیں) اور یہ خطاب تجھے بار بار ہو اس وقت تو بندگانِ خاص بلکہ خاص الخاص میں سے ہوگا، اور اس وقت تیرا کوئی ارادہ باقی رہے گا اور نہ مطلب، اسی طرح نہ کوئی ایسا عمل باقی رہے گا جس پر تو فخر کر سکے اور نہ کوئی ایسا مرتبہ جسے دیکھ کر تو خوش ہو! یا تیرا دل اس کی طرف متوجہ ہو، اس وقت تیری مثال ایسے برتن کی سی ہوگی جس میں کوئی بہنے والی چیز نہ ٹھہرتی ہو، اس وقت تیرے اندر کوئی ارادہ، عادت اور دنیا و آخرت کی کسی بھی چیز کی طرف کوئی توجہ باقی نہیں رہے گی! اور بارگاہِ الوہیت کے علاوہ تمام علائق سے پاک ہو جائے گا، تجھے رضائے الٰہی عطا کی جائیگی، اور اللہ کی جنت میں مقام "رضوان" کا وعدہ دیا جائے گا، اور تو خدائے لم یزل کے افعال سے لذت و نعمت حاصل کرتا رہے گا، پھر تجھ سے وعدہ کیا جائے گا اور جب تو اس وعدہ پر مطمئن ہو جائیگا اور تیرے اندر کسی ارادے کی علامت پائی جائے گی، تو اس وقت تجھے اس وعدے سے مزید اعلیٰ وعدے کی طرف منتقل کیا جائے گا، اور اس سے بے نیاز ہونے کی وجہ سے اس سے بھی بلند وعدے کا بدلہ دیا جائے گا، اور تجھ پر علوم و معرفت کے دروازے کھول دیئے جائیں گے اور پھر تجھے وعدۂ اوّل سے وعدۂ ثانی کی طرف لوٹائے جانے کی مخفی مصلحتوں، دانائی کی حکمتوں اور حقائق اسرار سے مطلع کیا جائے گا، پھر تیرے اس مرتبہ میں حال کی حفاظت کی جائے گی، اس مقام میں تجھ پر اسرار کی حفاظت کی امانت، شرح صدر، تنویر قلب، فصاحتِ زبان، حکمتِ کاملہ اور محبت میں اضافہ کیا جائے گا۔ اس وقت تجھے دنیا و آخرت میں تمام مخلوق اور اس کے ماسوا کا محبوب بنا دیا جائے گا کیونکہ تو اللہ تعالیٰ کا محبوب بن گیا اور تمام مخلوق خدا کی تابع ہے اور ان کی محبت خدا کی محبت میں داخل ہے جیسے کہ ان کا بُغض خدا کے بُغض میں داخل ہے، اسی طرح جب تو اس مقام میں پہنچا دیا جائے گا جہاں تجھے مطلقاً کسی چیز کا ارادہ نہیں ہوگا تو اس وقت کسی چیز کا ارادہ تیرے اندر پیدا کر دیا جائے گا، جب تیرا ارادہ اس کے ساتھ پختہ ہو جائیگا تو

---

[1] یوسف: ۵۴

تو وہ چیز معدوم کر دی جائے گی اور تیرا ارادہ اس سے پھیر دیا جائے گا، چنانچہ دنیا میں تجھے وہ چیز نہیں دی جائے گی لیکن آخرت میں اس کا بدلہ تجھے ایسی چیز سے دیا جائے گا جو بارگاہِ قدس میں تیرا قرب بڑھائے گی، اور فردوس بریں اور جنت الماویٰ میں اس کے ذریعے تیری آنکھیں ٹھنڈی ہوں گی، اور اگر دنیا میں جو کہ فنا کا گھر اور تکلیف کا ٹھکانہ ہے تو نے وہ چیز طلب کی، اور نہ ہی اس کی اُمید رکھی، اور نہ اس کی طرف مائل ہوا بلکہ دنیا میں تیری اُمید کا مرکز وہی ذات پاک رہی جس نے تمام چیزوں کو پیدا کیا اور ظاہر کیا کسی کو دیا اور کسی کو نہیں دیا، جس نے زمین کا فرش بچھایا اور آسمان کو بلند کیا، کیونکہ یہی ذات ہی درحقیقت مرادِ مطلوب اور مقصودِ حقیقی ہے، بسا اوقات وہ امر جسے تُو نے نہیں چاہا تیری شکستہ دلی اور مطلوب و مراد اور آرزو سے باز رہنے اور آخرت میں اس کا بدلہ مقرر کرنے کے بعد دنیا میں ایسی چیز سے اس کا بدلہ دیا جائیگا، جو اس سے ادنیٰ یا اس کے مساوی ہوگی جیسے کہ ہم نے بیان کیا ہے۔

(۲۰) شکوک و شبہات

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

دَعْ مایریبك الیٰ مالا یریبك (جو چیز تجھے شک میں ڈالتی ہے اسے چھوڑ دے اور جو شک میں نہ ڈالے اسے اختیار کر)

جب مشتبہ چیز غیر مشتبہ کے ساتھ جمع ہو جائے تو اس عزیمت کو جس میں کوئی شک و شبہ نہ ہو اختیار کر، اور اس چیز کو چھوڑ جو شک میں ڈالتی ہے، لیکن جب صرف مشکوک چیز ہو، جس کی خلش اور وسوسے سے دل صاف نہ ہو جیسا کہ حدیث میں آیا ہے گناہ دلوں کے لیے خلجان (بے اطمینانی) ہے تو ایسی صورت میں توقف کر، اور باطنی حکم کا انتظار کر، اگر تجھے اس کے استعمال کرنے کا حکم ملے تو تُو اُسے لے لے، اور اگر منع کر دیا جائے تو رُک جا! پھر وہ چیز تیرے لیے ایسی ہو جانی چاہیے گویا موجود ہی نہیں تھی، اللہ تعالیٰ کے دروازے کی طرف رجوع کر، اور رزق اپنے رب سے مانگ! اگر صبر، موافقت، رضا اور فنا میں تجھ سے

کوتاہی واقع ہوجائے تو اللہ تعالیٰ یاد دلائے جانے کا محتاج نہیں ہے، وُہ تجھ سے غافل ہے اور نہ کسی دوسرے سے، وُہ تو اپنی رحمتِ کاملہ سے کفار، منافقین اور طاعت سے منحرف لوگوں کو بھی روزی عطا کرتا ہے، پھر اسے مومنِ موحدِ شب و روز اس کے احکام پر عمل کرنے والے مطیع! تجھے وہ کیونکر بھولے گا!

اس حدیث کے ایک دُوسرے معنیٰ یہ ہیں:

جو چیز مخلوق کے پاس ہے اُسے چھوڑ دے، اسے طلب کر اور نہ اس کے ساتھ دل لگا! لوگوں سے اُمید رکھ اور نہ اُن سے خوف کھا! اللہ تعالیٰ کے فضل سے اپنا بہرہ حاصل کر! اللہ کا فضل ایسا ہے جو تجھے شک میں نہیں ڈالے گا! مناسب ہے کہ مسئول ایک عطا کرنے والا ایک، اور تیرا ارادہ بھی ایک ہی ذات سے وابستہ ہو اور وُہ ذات تیرے پروردگار عزّ و جل کی ہے اور اس کی ذات وُہ ہے جس کے قبضے میں شاہوں کی باگیں ہیں، اور جسم کے بادشاہ اور متصرف یعنی دل بھی اسی کے ہاتھ میں ہیں، مخلوق کے اموال اسی کی مِلک ہیں البتہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے امین اور وکیل ہے۔ تجھے مال و دولت عطا کرنے کے سلسلے میں اُن کے ہاتھوں کی جنبش اللہ تعالیٰ کے حکم، اس کی اجازت اور اسی کی تحریک سے ہے، اور ان کا یہی حال تجھے کچھ نہ دینے کے بارے میں ہے! فرمانِ خداوندی ہے:

واسئلوا اللّٰہ من فضلہٖ [1] (اور اللہ سے اس کا فضل مانگو)

دُوسری جگہ ارشاد ہے:

انّ الذین تعبدون من دُون اللّٰہ لا یملکون لکم رزقاً فابتغوا عند اللّٰہ الرزق واعبدوہ واشکروا لہٗ [2] (بے شک وہ جنھیں تم اللہ کے سوا پُوجتے ہو تمھاری روزی کے کچھ مالک نہیں، تم اللہ کے پاس رزق ڈھونڈو، اور اس کی بندگی کرو، اور اس کا احسان مانو تمھیں اسی کی طرف پھرنا ہے)

---

[1] نساء: ۳۲

[2] عنکبوت: ۱۷

ایک اور مقام پر ارشاد ہے،

واذا سألک عبادی عنی فانی قریب اجیب دعوۃ الداع اذا دعان[1] (اور جب اے محبوب! تم سے میرے بندے مجھے پوچھیں تو میں نزدیک ہوں، دعا قبول کرتا ہوں پکارنے والے کی جب مجھے پکارے)

اسی طرح ارشاد ہے:

ان اللہ ھوالرزاق ذوالقوۃ المتین[2]۔ (بے شک اللہ ہی بڑا رزق دینے والا، قوت والا قدرت والا ہے)

دوسری جگہ فرمان ہے،

ان اللہ یرزق من یشاء بغیر حساب[3]۔ (بے شک اللہ جسے چاہے بے گنتی دے)

(۲۱) مکالمۂ ابلیس

میں نے ابلیس لعین کو خواب میں اس طرح دیکھا کہ میں ایک بڑے مجمع میں ہوں اور میں نے اُسے قتل کرنے کا ارادہ کیا ہے، اس نے کہا آپ مجھے قتل کیوں کرتے ہیں؟ آخر میرا گناہ کیا ہے؟ اگر تقدیر خداوندی شر کے متعلق نافذ ہو چکی ہے تو میری کیا بساط ہے کہ میں اسے خیر کے ساتھ بدل ڈالوں؟ اور اگر تقدیر ربی خیر کے متعلق جاری ہو چکی ہے تو بھی میری یہ طاقت کہاں کہ میں اسے شر کی طرف پھیر سکوں یا اس سے بدل سکوں! آپ بتائیے کہ میرے ہاتھ میں کیا ہے؟ اُس کی شکل وصورت خنثیٰ سے ملتی جلتی اور اس کی گفتگو میں نرمی تھی، اس کا منہ لمبا اور ٹھوڑی کے نیچے معمولی بال تھے، مجموعی طور پر وہ حقیر صورت اور بدشکل تھا اور میرے سامنے خوف زدہ اور شرمسار آدمی کی ہنسی ہنس رہا تھا۔ میں نے یہ خواب ۱۲ ذی الحجہ ۱۹۴ھ شب یکشنبہ دیکھا تھا۔

---

[1] البقرہ: ۱۸۶

[2] الذٰریٰت: ۵۸

[3] آل عمران: ۳۷

(۲۲) آزمائشِ مومن

اللہ تبارک و تعالیٰ ہمیشہ اپنے بندۂ مومن کو اس کے ایمان کے مطابق آزمائش میں ڈالتا ہے جس شخص کا ایمان زیادہ قوی ہے اس کی آزمائش بھی اتنی ہی بڑی ہوتی ہے رسول کی آزمائش نبی کی آزمائش سے بڑی ہے کیونکہ رسول کا ایمان زیادہ قوی ہوتا ہے، پھر نبی کی آزمائش ابدال سے زیادہ بڑی ہے اسی طرح ابدال کی آزمائش ولی کی آزمائش سے زیادہ ہے۔ ہر ایک اپنے یقین اور ایمان کے مراتب کے مطابق آزمائش میں ڈالا جاتا ہے، اس کی بنیاد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان "انا معاشر الانبیاء اشد الناس بلاءً ثم الامثل فالامثل" (ہم یعنی گروہِ انبیاء آزمائش کے اعتبار سے دوسرے لوگوں سے سخت تر ہیں، اس کے بعد درجہ بدرجہ) پھر اللہ تعالیٰ اسی مبارک گروہ کو ہمیشہ آزمائش میں رکھتا ہے تاکہ وہ قُرب اور حضور کے مقامات میں ہمیشہ محو رہیں، اور ہوشیاری سے غافل نہو جائیں، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ انھیں دوست رکھتا ہے۔ وہ اہل محبت اور اللہ تعالیٰ کے محبوب ہیں، اور محب اپنے محبوب کی جدائی کبھی گوارا نہیں کرتا۔ پس آزمائش ان کے دلوں کو حق کی طرف متوجہ کرنے والی، اور ان کے نفوس کے لیے قید ہے، ان کو ماسوی اللہ کی طرف مائل ہونے، اس سے سکون حاصل کرنے، اور اس کے سامنے جھکنے سے روکتی ہے ہمیشہ آزمائشوں کے نزول کے سبب ان کی خواہشات ختم ہو جاتی ہیں، ان کے نفس مُردہ ہو جاتے ہیں اور ان کے سامنے حق و باطل نکھر جاتا ہے، تمام خواہشات اور عزائم، اور لذائذ دنیا و آخرت کی تمنائیں گوشۂ نفس میں سکڑ کر رہ جاتی ہیں۔ پھر اسے وعدۂ الٰہی پر اطمینان، اس کی تقدیر پر رضامندی، اس کی عطا پر قناعت، اس کی بلا پر صبر اور مخلوق کے شر سے امن حاصل ہو جاتا ہے دل کی شوکت قوی ہو جاتی ہے اور دل کو تمام اعضاء پر مکمل شاہی حاصل ہو جاتی ہے اس لیے کہ آزمائش دل اور یقین کو قوی و مستحکم کر دیتی ہے۔ ایمان اور صبر کو مضبوط اور نفس و خواہشات کو کمزور کرتی ہے کیونکہ جب تکلیف اور مصیبت کے وقت مومن سے صبر اور رضا و تسلیم اور اللہ تعالیٰ کے فعل پر شکر پایا جائے تو اللہ اس سے راضی ہوتا ہے اور مومن کو مدد اور عمل کی توفیق مزید حاصل ہوتی ہے، فرمانِ خداوندی ہے:

لئن شکرتم لازیدنکم[1] (اگر احسان مانو گے تو میں تمہیں اور دوں گا)

جب دل خواہشات میں سے کسی خواہش اور نفس کی لذتوں میں سے کسی لذت کے طلب کرنے میں حرکت کرتا ہے اور نفس کے مطلب پورا کرنے میں موافقت کرتا ہے اور نفس کے ساتھ دل کی یہ موافقت بلااذن وحکم خداوندی ہوتی ہے تو اس سے یادِ حق سے غفلت اور شرک ومعصیت حاصل ہوتی ہے اس وقت اللہ تعالیٰ آزمائش اور رسوائی اور مخلوق کو مسلط کردینے اور تکلیف وتشویش اور درد و بیماری کے ساتھ دل اور نفس کی مطلب برآری میں اس کی موافقت نہ کی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اولیاء کو الہام کے ساتھ اور انبیاء ورسل کو وحی ظاہر کے ساتھ حکم نہ آجائے۔ اور وحی والہام کے منع وعطا پر عمل کیا جائے تو اللہ تعالیٰ قلب اور نفس کو رحمت، برکت، عافیت، رضا، نور، معرفت اور قرب وغنا سے نوازے گا اور تمام آفات سے سلامتی عطا فرمائے گا یہی بات سمجھ لے اور یاد رکھ، اور نفس وخواہش کی جلد موافقت کرنے میں ضرور آزمائش سے بچ بلکہ اس میں توقف کر اور اذن مولیٰ کا منتظر رہ تاکہ تو دنیا وعقبیٰ میں سلامت رہے۔

(۲۳) مقسوم پر رضامندی

تھوڑی چیز سے خوش رہ! اور اس پر قناعت کر یہاں تک کہ نوشتۂ تقدیر پورا ہو جائے، اور تو بلند اور نفیس مدارج پر پہنچا دیا جائے اور ان مقامات پر فائز ہونے کی تجھے مبارکباد[2] دی جائے۔ پھر تجھے دنیا وآخرت کی سختی، بدانجامی اور حد سے تجاوز کے بغیر اس حال میں باقی اور محفوظ رکھا جائے اس کے بعد تجھے اس مقام سے ایسے مقام کی طرف ترقی دی جائے جو آنکھوں کے لیے ٹھنڈک اور خوشگواری کا باعث ہے اور یہ بات اچھی طرح سمجھ لے کہ طلب نہ کرنے کی وجہ سے تیری قسمت کے حصے سے تجھے ہرگز محروم نہیں کیا جائے گا اور اسی طرح جو چیز تیرے مقسوم میں نہیں ہے اسے طلب اور کوشش سے بھی تو حاصل نہیں کرسکتا اس لیے صبر کر، اور اپنی حالت پر راضی وثابت رہ! اور

---

[1] ابراہیم: ۱۴
[2] لاہوری نسخے میں بہ تھنذا ہے اور مصری نسخے میں بہ تہنا ٔ ہے۔

جب تک تجھے حکم نہ ہو کوئی چیز نہ لے اور نہ کچھ دے ! اور اسی طرح بلا حکم کوئی حرکت کر اور نہ خاموش رہ !
ورنہ اپنے سے بدتر مخلوق کی برائی میں اپنی شامت سے مبتلا ہو جائے گا ، اس لیے کہ اس حرکت سے
تو اپنے آپ پر ظلم کر رہا ہے اور ظالم کو کبھی معاف نہیں کیا جاتا ۔ فرمانِ خداوندی ہے ،

وکذٰلک نولی بعض الظالمین بعضاً ۔[1]

(اور یونہی ہم ظالموں میں ایک دوسرے پر مسلط کرتے ہیں)

تو ایک ایسے بادشاہ کے محل میں ہے جس کا حکم اور دبدبہ بڑا ہے اس کا لشکر بھاری اور اس کا فرمان
جاری ہے اس کا حکم غالب اور سلطنت دائمی ہے اس کا علم باریک اور اس کی حکمت نادر ہے
اس کا حکم عدل ہے ، زمین و آسمان کی کوئی چیز ذرہ برابر بھی اس سے پوشیدہ نہیں ہے اس سے
کسی ظالم کا ظلم مخفی نہیں رہتا ، اور تو تو اپنے جرم اور ظلم کے اعتبار سے تمام ظالموں اور مجرموں سے
بڑا ہے اس لیے کہ تو نے اپنے اور مخلوقِ خدا میں اپنی خواہش سے تصرف کرنے کے سبب شرک کا
ارتکاب کیا ہے اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ؛

ان اللّٰہ لا یغفر ان یشرک بہٖ و یغفر ما دون ذٰلک لمن یشآءُ ۔[2]

(اللہ اسے نہیں بخشتا کہ اس کا کوئی شریک ٹھہرایا جائے اور اس سے نیچے جو کچھ
ہے جسے چاہے معاف فرما دیتا ہے)

شرک سے بچ اور اس کے قریب بھی نہ جا ۔ اپنی حرکات و سکنات ، جلوت و خلوت اور اپنے
رات دن میں شرک سے دور رہ ! اپنے اعضاء و جوارح اور دل سے بھی الغرض ہر حال میں معصیت
سے بچ ! اور ظاہری باطنی گناہ چھوڑ دے ۔ اللہ تعالیٰ سے دور نہ بھاگ ، وہ تجھے پکڑ لے گا ۔ اللہ تعالیٰ
سے اس کی قضاء قدر پر انگشت نمائی نہ کر ، وہ تجھے کچل ڈالے گا ، اور اس کے احکام میں تہمت نہ لگا
وہ تجھے رسوا کر دے گا ، اس سے غافل نہ رہ وہ تجھے نظرِ رحمت سے گرا دے گا اور آزمائش میں
مبتلا کر دے گا ۔ اس کے گھر میں کوئی نئی بات پیدا نہ کر ۔ وہ تجھے ہلاک کر دے گا ، اس کے دین میں نفسانی
خواہش سے کوئی بات نہ کہہ ! وہ تجھے ہلاک اور تیرا دل سیاہ کر دے گا ، اور تجھ سے ایمان و

---

[1] الانعام : ۱۲۸

[2] نسا : ۱۱۶

جب تک تجھے حکم نہ ہو کوئی چیز نہ لے اور نہ کچھ دے ! اور اسی طرح بلا حکم کوئی حرکت کر اور نہ خاموش رہ ! ورنہ اپنے سے بدتر مخلوق کی برائی میں اپنی شامت سے مبتلا ہو جائے گا، اس لیے کہ اس حرکت سے تو اپنے آپ پر ظلم کر رہا ہے اور ظالم کو کبھی معاف نہیں کیا جاتا۔ فرمانِ خداوندی ہے،

وکذلک نولی بعض الظالمین بعضاً۔[1]

(اور یونہی ہم ظالموں میں ایک کو دوسرے پر مسلط کرتے ہیں)

تو ایک ایسے بادشاہ کے محل میں ہے جس کا حکم اور دبدبہ بڑا ہے اس کا لشکر بھاری اور اس کا فرمان جاری ہے اس کا حکم غالب اور سلطنت دائمی ہے اس کا علم باریک اور اس کی حکمت نادر ہے اس کا حکم عدل ہے، زمین و آسمان کی کوئی چیز ذرہ برابر بھی اس سے پوشیدہ نہیں ہے اس سے کسی ظالم کا ظلم مخفی نہیں رہتا، اور تو تو اپنے جرم اور ظلم کے اعتبار سے تمام ظالموں اور مجرموں سے بڑا ہے اس لیے کہ تو نے اپنے اور مخلوقِ خدا میں اپنی خواہش سے تصرف کرنے کے سبب شرک کا ارتکاب کیا ہے اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے،

ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ و یغفر ما دون ذٰلک لمن یشاء۔[2]

(اللہ اسے نہیں بخشتا کہ اس کا کوئی شریک ٹھہرایا جائے اور اس سے نیچے جو کچھ ہے جسے چاہے معاف فرما دیتا ہے)

شرک سے بچ اور اس کے قریب بھی نہ جا۔ اپنی حرکات و سکنات، جلوت و خلوت اور اپنے رات دن میں شرک سے دور رہ ! اپنے اعضاء و جوارح اور دل سے بھی الغرض ہر حال میں معصیت سے بچ ! اور ظاہری باطنی گناہ چھوڑ دے۔ اللہ تعالیٰ سے دور نہ بھاگ، وہ تجھے پکڑ لے گا۔ اللہ تعالیٰ سے اس کی قضاء قدر پر انگشت نمائی نہ کر، وہ تجھے کچل ڈالے گا، اور اس کے احکام میں تہمت نہ لگا وہ تجھے رسوا کر دے گا، اس سے غافل نہ رہ وہ تجھے نظرِ رحمت سے گرا دے گا اور آزمائش میں مبتلا کر دے گا۔ اس کے گھر میں کوئی نئی بات پیدا نہ کر وہ تجھے ہلاک کر دے گا، اس کے دین میں نفسانی خواہش سے کوئی بات نہ کہہ ! وہ تجھے ہلاک اور تیرا دل سیاہ کر دے گا، اور تجھ سے ایمان و

---

[1] الانعام : ۱۲۸ [2] نساء : ۱۱۶

(۲۴) درِ مولیٰ سے پیوستگی

اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے پرہیز کر! اور اس کے درِ رحمت کو سچائی سے تھام لے! اس کے حضور عاجزی سے معذرت چاہتے ہُوئے اپنی حاجت دکھاتے ہُوئے فروتنی اور عاجزی کا مظاہرہ کرتے ہُوئے نگاہیں جھکائے ہُوئے اس کی مخلوق کی طرف متوجہ نہ ہوتے ہوئے اپنی خواہشات پر قابو پاتے ہوئے دنیا و آخرت میں اپنی عبادت کا بدلہ نہ چاہتے ہُوئے اور مقامات بلند اور مراتب عالیہ کی خواہش نہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی عبادت میں اپنی طاقت اور کوشش خرچ کر، اور اس بات کا اچھی طرح یقین کرلے کہ تو اس کا بندہ ہے اور بندہ اور اس کی ملکیت مولیٰ ہی کی ہوتی ہے اس پر کسی قسم کا استحقاق نہ جتا، خوب ادب کر! اور اس پر تہمت نہ لگا۔ اس کے ہاں ہر چیز کا ایک اندازہ مقرر ہے کوئی اس کے مقدم کو موخر اور اس کے موخر کو مقدم نہیں کرسکتا۔ جو کچھ اس نے تیرے لیے مقرر کیا ہے وُہ اپنے وقت پر تجھے مل جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے تیرے کام سے فراغت پالی اور آخرت میں تجھے بہشت عطا فرمائی اور تجھے اس کا مالک بنایا، اسی طرح آخرت میں تجھے مزید ایسی نعمتیں بخشے گا، جن کو کسی آنکھ نے نہ دیکھا اور نہ کسی کان نے سنا ہے اور نہ ہی کسی کے دل پر ان کا وہم و گمان گزرا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فلا تعلم نفسٌ ما اخفی لھم من قرۃ اعینٍ جزاءً بما کانوا یعملون[1] (کسی جی کو نہیں معلوم جو آنکھ کی ٹھنڈک ان کے لیے چھپا رکھی ہے صلہ ان کے کاموں کا)

یعنی دنیا میں اللہ کے احکام کی پابندی کرنے گناہوں کے چھوڑنے اور اس پر صبر کرنے، اپنے امور کو تقدیر کے حوالے کر دینے اور ہر معاملے میں تقدیر خداوندی کی موافقت کرنے کے سلسلے

---

[1] السجدہ : ۱۷

ہیں ان لوگوں نے جو عمل کیا ہے لیکن ان کے علاوہ دوسرے لوگ جنہیں اللہ تعالیٰ نے وافر حصہ عطا فرمایا انھیں مالک بنایا اور دنیا میں انھیں صاحبِ نعمت بنایا۔ ان کے ساتھ یہ سب کچھ اس لیے کیا گیا کہ ان کے ایمان کی زمین ایسی بنجر اور شور ہے کہ اس میں نہ تو پانی ٹھہر سکتا ہے اور نہ ہی درخت اگتے ہیں، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس میں کئی اقسام کی کھاد اور دیگر ضروری اجزا ڈال دئے تاکہ اس زمین میں سبزے کی پرورش ہو سکے اور واضح رہے کہ یہ کھاد اور اجزا دنیا اور اس کا مال و اسباب ہیں تاکہ اس کے ذریعے شجرۃ الایمان جسے اللہ تعالیٰ نے قلب مومن کی زرخیز زمین میں اگایا ہے کی حفاظت ہو سکے، اگر اللہ تعالیٰ ایسی زمین سے کھاد ہٹا لے تو درخت اور سبزہ خشک ہو جائیں، میوے سوکھ جائیں، اور ملک ویران ہو جائے حالانکہ اللہ تعالیٰ دنیا کی آبادی چاہتا ہے پس دولتمند کے ایمان کا کمزور جڑ والا درخت اس چیز سے خالی ہے جس سے اے فقیر! تیرے ایمان کا درخت بھرا ہوا ہے! دولتمند کے ایمان کے درخت کی طاقت اور بقا انہی انواع و اقسام کی دنیاوی نعمتوں سے ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ کو اپنی عنایت سے ان امور کی توفیق ارزانی کرے جو اسے محبوب اور پسندیدہ ہیں۔

(۲۵) منازلِ ایمان

اے تہی دست! اگر تجھ سے دنیا اور اہل دنیا نے منہ موڑ لیا ہے، اگر تو گمنام بھوکا اور پیاسا ہے اگر تو برہنہ، تشنہ جگر اور ہر گوشۂ زمین مسجد و ویرانے سے بھی دھتکارا ہوا ہے، اور اسی طرح اگر تو ہر دروازے پر لوٹایا ہوا ہر مراد سے بے نصیب، تمام خواہشات و عزائم سے شکستہ اور محروم ہے تو بھی یہ ہرگز نہ کہہ کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے محتاج اور تنگدست بنایا ہے اور دنیا مجھ سے اٹھا لی ہے اور مجھے اکیلا چھوڑ دیا ہے اور اس نے مجھے پریشان خاطری دی ہے اطمینان قلب نہیں دیا۔ اس نے مجھے رُسوا کیا ہے دنیا میں سے گزارہ کے لائق بھی نہیں دیا، اس نے مجھے گمنام بنایا اور اقران و اماثل میں رفعت و منزلت نہیں بخشی، دوسروں کو اس نے اپنی عظیم نعمتیں عطا فرمائی ہیں اور وہ رات دن اس کی نعمتوں میں محو ہیں انہیں مجھ پر اور میرے ہمسایوں پر ترجیح دی ہے حالانکہ ہم دونوں ایمان دار مسلمان ہیں۔ ہماری والدہ حضرت حوا اور والد حضرت آدم علیہ السلام ہیں! تو نے کبھی اس بات پر غور کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تیرے ساتھ یہ معاملہ کیوں اختیار ہے؟ اصل یہ ہے کہ

تیری مٹی بے ریگ اور عمدہ ہے اور صبر و رضا، علم و یقین اور موافقت کی صورت میں رحمت الٰہی کی بارش تجھ پر مسلسل برسنے والی ہے، اور تیرے پاس ایمان و توحید کی روشنیاں جمع ہونے والی ہیں تیرے ایمان کا درخت اپنی بنیاد اور جڑ کے اعتبار سے مضبوط، قائم، ثمر دار، بڑھنے والا گھنا اور بلند شاخوں والا ہے اس میں ہر روز بالیدگی اور نمو ہے اسے پرورش کے لیے کسی کھاد وغیرہ کی ضرورت نہیں ہے۔

اللہ کے مقدم کو مؤخر اور اس کے مؤخر کو مقدم کرنے والا کوئی نہیں ہے، اللہ نے جو چیز تیرے لیے مقرر کی ہے تو چاہے یا نہ چاہے اپنے وقت پر وہ تجھے مل جائے گی، جو چیز تجھے عنقریب ملنے والی ہے تو اس کی لالچ اور طلب نہ کر، اور جو چیز ہے ہی غیر کے لیے اس پر افسوس بے معنی ہے جو چیز تیرے پاس نہیں ہے اس کی دو صورتیں ہیں یا وہ چیز تیری ہے، اگر تیری ہے تو تیرے پاس آجائے گی، اور تو بھی کھینچ کر اس تک پہنچا دیا جائے گا! الغرض وہ جلد ہی تجھے مل جائے گی۔ البتہ اگر وہ چیز غیر کی ہے یعنی تو اس سے پھرایا گیا ہے اور وہ تجھ سے پھیری ہوئی ہے تو وہ تجھے کیونکر مل سکتی ہے لہذا اس مخمصے کو چھوڑ کر حسن ادب کے ساتھ اپنے عزیز اوقات اللہ تعالیٰ کی عبادت میں بسر کر! فخر و تکبر چھوڑ دے، غیر کی طرف ہرگز التفات نہ کر، فرمان خداوندی ہے:

ولا تمدن عینیك الی ما متعنا بہ ازواجا منھم زھرۃ الحیٰوۃ الدنیا لنفتنھم فیہ و رزق ربك خیر و ابقٰی[1]

(اے سننے والے اپنی آنکھیں نہ پھیلا اس کی طرف جو ہم نے کافروں کے جوڑوں کو برتنے کے لیے دی ہے جیتی دنیا کی تازگی کہ ہم انہیں اس کے سبب فتنہ میں ڈالیں اور تیرے رب کا رزق سب سے اچھا اور سب سے دیرپا ہے)

اللہ تعالیٰ نے تجھے جو کچھ عطا فرمایا ہے اس کے غیر کی طرف متوجہ ہونے سے اس نے منع فرمایا ہے تجھے اس نے اپنی زندگی کی سعادت سے نوازا ہے اور اپنا رزق و فضل عطا فرما کر متنبہ کر دیا کہ اس کے علاوہ فتنہ ہے لہذا اپنی قسمت پر تیرا راضی رہنا ہی مناسب اور بہتر ہے، اور مناسب ہے

---

[1] طٰہٰ: ۱۳۱

کہ یہی تیرا طریقہ، مسلک، ٹھکانا، تیرے ظاہر و باطن کی علامت اور تیرا مقصد و مراد اور خواہش و تمنا بن جائے، اس سے تُو ہر مقصود کو حاصل کرے گا! اور اس سے تو ہر نیکی و نعمت، نور و سرور اور مقاماتِ رفیع پر فائز المرام ہوگا، فرمانِ خداوندی ہے:

فلا تعلم نفس ما اخفی لهم من قرة اعين جزاءً بما كانوا يعملون [1]

(کسی جی کو نہیں معلوم جو آنکھ کی ٹھنڈک ان کے لیے چھپا رکھی ہے صلہ ان کے کام کا)

فرائض خمسہ کی ادائیگی اور ترکِ ذنوب کے علاوہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کوئی عمل زیادہ مقبول و محبوب نہیں ہے، اگر اس درخت کی کمزوری کے باوجود تمام نعمتیں واپس لے لی جائیں تو درخت خشک ہو جائے گا، اور وہ شخص کافر و منکر ہو کر منافقین و مرتدین میں مل جائے گا لیکن اگر اللہ تعالیٰ دولتمند پر صبر و رضا یقین و علم اور معارف کی کرم گستری کرے تو اس کا ایمان مضبوط ہو جائے گا اور اس وقت دولت مندی اور نعمت کے سلب ہو جانے کی پروا نہیں کرے گا! [2]

(۲۶) عظمت و جبروت

جب تک تو مخلوق سے علیحدگی اختیار نہ کرلے تمام حالات میں اپنا دل ان سے نہ پھیرلے اور تیری ذاتی خواہش و ارادہ

علیحدگی اختیار نہ کرلے، تمام حالات میں اپنا دل ان سے نہ پھیر لے اور تیری ذاتی خواہش و ارادہ ختم نہ ہو جائے! اور دنیا و آخرت میں اپنی ہستی کو نیستی میں تبدیل نہ کردے اور تیرا قلب ایسا پاکیزہ شیشہ نہ بن جائے جس میں ارادۂ الٰہی کے علاوہ کچھ ہے ہی نہیں اس وقت تک اپنے چہرے سے برقعہ و پردہ نہ ہٹا، اس وقت تو اپنے رب کے نور سے بھر جائیگا۔ اور تیرے دل میں غیر اللہ کے لیے کوئی جگہ نہیں ہوگی، تجھے اپنے دل کا نگہبان بنا دیا جائے گا اور تجھے توحید اور عظمت اور جبروت کی تلوار دی جائے گی، جس کے ذریعے تو سمائے سینہ سے درِ دل کے نزدیک آنے والی ہر غیر چیز کا سر اڑا کر رکھ دے گا، چنانچہ نفس کی خواہشات اور دین و دنیا کی تمام تمنائیں ختم ہو جائینگی، ایسی باتوں کی طرف کوئی دھیان دیا جائے گا اور نہ ہی ان کی پیروی ہوگی، ہاں البتہ احکامِ الٰہی کی پابندی، اس کی قضا و قدر پر رضامندی، بلکہ اپنے آپ کو تقدیرِ الٰہی کے سامنے مکمل سرِ تسلیم

---

[1] السجدہ: ۱۷

[2] مصری نسخے میں یہ جملہ زائد ہے: اذا خرج النرھو دخل النور۔

ختم کر دینے کی کیفیت کی پیروی کی جائے گی، اس وقت تو مخلوق کی پیروی کا بندہ نہیں بلکہ اپنے رب اور اس کے احکام کا غلام ہو جائے گا، جب یہ کیفیت تیرے اندر استقلال حاصل کرلے گی تو تیرے دل کے آس پاس غیرت کے شامیانے اور عظمت کے چشمے جاری کر دیئے جائیں گے، اور جبروت کا غلبہ ہوگا، اور تیرا دل حقیقت اور توحید کے انوار سے گھیر لیا جائے گا[1] اور اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے نگہبان مقرر کیے جائیں گے تاکہ خواہشات، عزائم بد اور طبیعت میں پیدا ہونے والے جھوٹے وسوسے اور بُرائی و گمراہی پیدا کرنے والی خواہشات سے نفوس اور مخلوق تیری طرف راہ نہ پا سکیں! اگر تقدیر میں ہے تو مخلوق تیرے پاس گروہ در گروہ آئے گی، اور تیرے کمالات میں رطب اللسان ہوگی تاکہ روشن نور، اور واضح علامات کا مشاہدہ کرے اور ظاہر کرامات اور خوارق عادات دیکھ کر اعمالِ تقرب، مجاہدات اور دیگر عبادات الٰہی میں کوشش کرے۔ ان باتوں کے باوجود تو ہر طرح ان تمام سے محفوظ رہے گا، تجھ پر خواہشات نفس کا غلبہ نہ ہو سکے گا، اور نہ اس کثرت کو دیکھ کر خود پسندی یا فخر و بڑائی کے طور پر تیرے مزاج میں کوئی غرور پیدا ہوگا۔ اسی طرح اگر توفیق ایزدی شاملِ حال ہوئی تو تجھے نیک اور خوب صورت بیوی ملے گی اور ساتھ ہی گزارے کے لیے بقدر کفایت مال و رزق عطا ہوگا، تو اس کے شر، بوجھ اور اس کے رشتہ داروں کے بوجھ سے ہر طرح محفوظ و مصئون رکھا جائے گا بلکہ یہ بیوی تیرے لیے عطیہ الٰہی، نعمت، مبارک، موافقِ طبع، پاکیزہ اور کدورت خبث دغا کینہ اور تیری خیانت سے پاک و صاف ہوگی، اور اپنے اعزہ واقربا سمیت وہ تیری مطیع و فرماں بردار ہوگی اور تجھ سے معاشی تنگی اور دوسری پریشانیوں کے دفع کرنے کا سبب بنے گی، اور اگر مقدر میں اس سے کوئی فرزند ہے تو وہ صالح اور آنکھوں کے لیے باعثِ ٹھنڈک ہوگا، اللہ تعالیٰ نے (حضرت زکریا[2] کی شان میں) فرمایا:

و اصلحنا لہ زوجہ[2]

(ہم نے اس کے لیے اس کی بی بی سنواری)

اور اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو اپنی بارگاہ میں دُعا کی تعلیم یوں دی:

---

[1] لاہوری نسخے میں وحُف بجنود الحقیقۃ والتوحید ہے جو غلط ہے صحیح وحُفَ ہے۔ [2] انبیا: ۹۰

ربنا ھب لنا من ازواجنا و ذریتنا قرۃ اعین واجعلنا للمتقین اماما۔[1]

(اے ہمارے رب ہمیں دے ہماری بیبیوں اور اولاد میں سے آنکھوں کی ٹھنڈک

اور ہمیں پرہیزگاروں کا پیشوا بنا)

ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

واجعلہ رب رضیا۔[2]

(اے میرے رب اسے پسندیدہ کر)

یہ دعائیں چاہے تُو نے مانگی ہیں یا نہیں مانگیں تیرے حق میں مقبول اور معمول بہا ہیں، کیونکہ یہ دُعائیں اصل میں اپنے اہل کے لیے مقبول ہیں اس لیے جو ان کا اہل اور ہم مرتبہ ہوگا، یہ نعمتیں بھی اسے ہی عطا ہوں گی، پس وہی ان کا اہل ہے جو اس مقام کا مالک ہے اور فضل خداوندی جس کے شامل حال ہے، اسی طرح اگر کوئی دنیاوی چیز تیرے مقدر میں ہے تو وہ اس وقت نقصان دہ نہیں ہوگی، دنیا کی جس چیز میں تیرا حصہ ہے وہ ضرور تجھے مل کر رہے گی، چونکہ یہ چیز تو اللہ تعالیٰ کے فضل و ارادہ اور اس کے حکم سے حاصل کرے گا، اس لیے تو اس کے حکم ماننے کی وجہ سے اس پر بھی اس طرح ثواب کا مستحق ہوگا جیسے کہ صوم و صلوٰۃ کی ادائیگی پر ثواب کا حقدار بنتا ہے، اور جو تیرا مقسوم نہیں ہے، وہ حاجت مندوں اور دوستوں، ہمسایوں اور بھائیوں، میں سے مستحق افراد پر حسب حال صرف کر، تجھ پر حالات منکشف ہو جائیں گے اور تو ان میں فرق محسوس کرلے گا۔ ع

شنیدہ کے بود مانند دیدہ

اس وقت تو اپنے امر میں ایسا صاف اور مضبوط ہوگا کہ اس میں کسی قسم کا میل وغبار اور شک و شبہ نہیں ہوگا، صبر و رضا، حفظِ حال، گمنامی اور خاموشی اختیار کر، پرہیز کر، اللہ سے ڈر! سرنگوں رہ سرنگوں! نظریں نیچی رکھ! حیا کر یہاں تک کہ نوشتۂ تقدیر پورا ہو! اس وقت تیرا ہاتھ پکڑ کر

---

[1] فرقان: ۷۴

[2] مریم: ۶

تجھے پیشوا بنا دیا جائے گا، اور سختی و مشقت تجھ سے ہٹا لی جائے گی، تجھے احسانات اور رحمت الٰہی کے کمالات کے سمندر میں غوطہ دیا جائے گا، وہاں سے نکال کر نور، اسرار الٰہی اور علوم و معرفت کی خلعتوں سے تجھے نوازا جائے گا، پھر تجھے بارگاہِ قدس کا قرب بے پایاں نصیب ہوگا تجھ سے جو بھی بات ہوگی الہام کے ذریعے ہوگی، تجھ پر عنایات ہوں گی، تو بے نیاز و دلیر بنا دیا جائے گا، تیرا مرتبہ بلند گردانا جائے گا اور تجھ سے اس طرح خطاب کیا جائے گا،

انك اليوم لدينا مكين امين [1]

(بے شک آج آپ ہمارے یہاں معزز و معتمد ہیں)

اس وقت ذرا حضرت یوسف صدیق علیہ السلام کا قصہ سامنے رکھ! کہ انہیں اس وقت بادشاہِ مصر فرعون کی طرف سے یہ خطاب کیا گیا تھا، اگرچہ بظاہر یہ کلمات بادشاہ کی زبان سے نکلے لیکن اہلِ معرفت کے نزدیک تو یہ الفاظ زبانِ حقیقت ہی سے ادا کئے گئے تھے۔ اس خطاب کے ذریعے حضرت یوسف کو جہاں ظاہری سلطنت عطا کی گئی ٹھیک وہاں ملکِ نفس ملک علوم و معرفت ملکِ قربِ خصوصیت اور مراتب بلند کا پروانۂ حکومت بھی ودیعت فرمایا گیا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وكذلك مكنا ليوسف فى الارض يتبوا منها حيث يشاء نصيب برحمتنا من نشاء ولا نضيع اجر المحسنين [2]

(اور یونہی ہم نے یوسف کو اس ملک پر قدرت بخشی اس میں جہاں چاہے رہے ہم اپنی رحمت جسے چاہیں پہنچائیں اور ہم نیکوں کا اجر ضائع نہیں کرتے)

اسی طرح سلطنت نفس کے بارے میں فرمایا:

وكذلك لنصرف عنه السوء والفحشاء انه من عبادنا المخلصين [3]

(اور ہم نے یونہی کیا کہ اس سے برائی اور بے حیائی کو پھیر دیں بے شک وہ ہمارے چُنے ہوئے بندوں میں سے ہے)

---

[1] یوسف: ۵۴ [2] یوسف: ۵۶

[3] یوسف: ۲۴

علم و معرفت کی شاہی سے متعلق فرمایا:

ذٰلکما مما علمنی ربی انی ترکت ملۃ قوم لا یومنون[1]

(یہ ان علموں میں سے ہے جو مجھے میرے رب نے سکھایا ہے بے شک میں نے ان لوگوں کا دین نہ مانا جو اللہ پر ایمان نہیں لاتے)

اے صدیق اکبر! تجھے بھی جب اس طرح خطاب کیا جائے گا تو تجھے علم اعظم سے بہرۂ وافر عطا ہوگا اور تجھے اس کے احسان اور توفیق اور قدرت اور ولایت عامہ اور حکم جو نفس اور غیر نفس سب پر حاوی ہونے والا ہے۔ دنیا میں آخرت سے پہلے اللہ کے حکم سے چیزیں پیدا کرنے کی مبارکباد دی جائے گی، اور آخرت کی نعمت دار السلام اور بہشت بریں ہے۔ دیدار الٰہی اس کی نعمتوں میں اضافہ اور احسان حق ہے۔ دیدار الٰہی ایک ایسی آرزو ہے جس کی کوئی حد و نہایت نہیں۔

(۲۷) حقیقتِ خیر و شر

خیر و شر گویا ایک درخت کی دو شاخیں ہیں، ایک شاخ میں میٹھا پھل لگتا ہے اور دوسری میں کڑوا۔ پس تو ان شہروں، ملکوں اور زمین کے حصوں کو چھوڑ دے جہاں جہاں اس درخت کے پھل بھیجے جاتے ہیں ان سے اور وہاں کے لوگوں سے دور رہ! البتہ درخت کے قریب ہو کر اس کی حفاظت اور نگہبانی کی خدمت سرانجام دے، دونوں شاخوں، میووں اور آس پاس کو اچھی طرح پہچان کر میٹھی شاخ کی طرف ہو جا، اسی میں سے تجھے اپنی غذا مل جائے گی، دوسری ڈالی کی طرف آنے اور اس کے میوے کھانے سے بچ، کیونکہ اس کی تلخی تیری ہلاکت کا باعث بن جائے گی، اگر تو ہمیشہ اس پر کاربند رہا تو بے خوف مسرور، اور تمام آفتوں سے سلامت رہے گا، کڑوے پھل سے آفات اور طرح طرح کی بلائیں پیدا ہوتی ہیں، اور اگر تو اس درخت سے دور رہے اور ملکوں میں پریشان پھرے ایسی صورت میں تیرے سامنے ملے جلے میوے لائے جائیں اور دونوں میں کوئی امتیاز نہ ہو سکے تو ممکن ہے کہ تیرا ہاتھ کڑوے پر پڑ جائے اور اس میں سے کچھ چکھ لے۔ اس کی تلخی تیرے

---

[1] یوسف: ۳۷

(۲۷) حقیقتِ خیر و شر

خیر و شر گویا ایک درخت کی دو شاخیں ہیں، ایک شاخ میں میٹھا پھل لگتا ہے اور دوسری میں کڑوا۔ پس تو ان شہروں، ملکوں اور زمین کے حصوں کو چھوڑ دے جہاں جہاں اس درخت کے پھل بھیجے جاتے ہیں ان سے اور وہاں کے لوگوں سے دُور رہ! البتہ درخت کے قریب ہو کر اس کی حفاظت اور نگہبانی کی خدمت سرانجام دے، دونوں شاخوں، میووں اور آس پاس کو اچھی طرح پہچان کر میٹھی شاخ کی طرف ہو جا، اسی میں سے تجھے اپنی غذا مل جائے گی، دوسری ڈالی کی طرف آنے اور اس کے میوے کھانے سے بچ، کیونکہ اس کی تلخی تیری ہلاکت کا باعث بن جائے گی، اگر تو ہمیشہ اس پرکاربند رہا تو بے خوف مسرور، اور تمام آفتوں سے سلامت رہے گا، کڑوے پھل سے آفات اور طرح طرح کی بلائیں پیدا ہوتی ہیں، اور اگر تو اس درخت سے دُور رہے اور ملکوں میں پریشان پھرے ایسی صورت میں تیرے سامنے ملے جلے میوے لائے جائیں اور دونوں میں کوئی امتیاز نہ ہو سکے تو ممکن ہے کہ تیرا ہاتھ کڑوے پر پڑ جائے اور اس میں سے کچھ چکھ لے۔ اس کی تلخی تیرے

[ل] یوسف : ۳۰

تالو، حلق، ناک اور دماغ میں سرایت کر جائے، پھر خون کی صورت میں تیرے جسم کی رگوں میں تحلیل ہو کر تجھے ہلاک کر دے اس وقت منہ سے اس کا اُگل دینا یا اس کا دھو لینا جسم سے اس کی تاثیر کو دفع کرنے کے سلسلے میں کچھ بھی فائدہ نہیں دے گا، اور اگر پہلے ہی تُو نے میٹھا پھل کھا لیا اور اس کی شیرینی تمام بدن میں سرایت کر گئی اور تُو نے اس سے فائدہ حاصل کر لیا اور خوش ہو گیا تو بھی تیرے لیے یہ کافی نہیں، بلکہ تجھے دُوسرا پھل کھانے کی ضرورت پیش آئے گی اور وہی اندیشہ پیدا ہو جائے گا کہ ممکن ہے کہ تیرا ہاتھ کڑوے پھل پر پڑ جائے اور تیرے اندر وہ تلخی سرایت کر جائے، خلاصۂ کلام یہ کہ درخت سے دُوری اور پھل کی عدم معرفت میں کوئی بہتری اور بھلائی نہیں ہے اس کے قریب رہنے اور اس سے پیوستہ وابستہ رہنے میں ہی بھلائی اور خیر ہے، پس خیر و شر دونوں افعالِ الٰہی ہیں اور اللہ ہی ان دونوں کا خالق اور جاری کرنے والا ہے۔ فرمانِ خداوندی ہے:

واللہ خلقکم وما تعملون [1]

(اور اللہ نے تمہیں پیدا کیا اور تمہارے اعمال کو)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشاد ہے:

واللہ خلق الجازر وجزورۃ واعمال العباد خلق اللہ وکسبھم۔

(اللہ تعالیٰ ہی نے ذابح اور اس کے مذبوح کو پیدا کیا اور بندوں کے اعمال اور ان کا کسب اللہ کی مخلوق ہیں)

ارشاد باری ہے:

وتلک الجنۃ التی اورثتموھا بما کنتم تعملون۔ [2]

(اور یہ ہے وہ جنت جس کے تم وارث کیے گئے اپنے اعمال سے)

سبحان اللہ! کیا انعام و رحمت ہے کہ عمل کی نسبت بندوں کی طرف کی، اگرچہ بندے اپنے جن اعمال کے سبب جنت کے مستحق ہوتے ہیں وہ عمل بھی اسی کی توفیق اور رحمت کا نتیجہ ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ:

---

[1] والصّٰفّٰت : ۹۶

[2] الزخرف : ۷۲

"کوئی شخص بھی اپنے عمل سے جنت میں داخل نہیں ہوگا۔"
پوچھا گیا، "آپ بھی یارسول اللہ ؐ!"
فرمایا: "میں بھی اپنے اعمال کی وجہ سے جنت میں نہیں جاؤں گا۔ یہ دوسری بات ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے اپنی رحمت میں ڈھانپ لے۔"

اس کے بعد آپ نے اپنا ہاتھ سر مبارک پر رکھا، اس حدیث کو ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے روایت کیا ہے، پھر جب تو اللہ کا فرمانبردار اس کے احکام بجا لانیوالا نواہی سے بچنے والا، اور اس کی قضا و قدر پر رضامند ہوگیا تو وہ تجھے تمام برائیوں سے بچائے گا اور اپنی رحمت کے دروازے کھول دے گا، دنیوی برائی کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے؛

کذٰلک لنصرف عنہ السوء والفحشاء انہ من عبادنا المخلصین[1]

(اور ہم نے یونہی کیا کہ اس سے برائی اور بے حیائی کو پھیر دیں بے شک وہ ہمارے چنے ہوئے بندوں میں سے ہے)

البتہ دینی برائی کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے؛

ما یفعل اللہ بعذابکم ان شکرتم و اٰمنتم وکان اللہ شاکراً علیماً[2]۔

(اور اللہ تمہیں عذاب دے کر کیا کرے گا؟ اگر تم حق مانو اور ایمان لاؤ اور اللہ ہے صلہ دینے والا جاننے والا)

مومن شاکر کو بلا کیا کرے گی وہ بلا کی نسبت عافیت سے زیادہ قریب ہے اس لیے کہ وہ شاکر ہونے کے سبب زیادتی نعمت کے مقام میں ہے۔ ارشادِ باری ہے؛

لئن شکرتم لازیدنکم[3]

(اگر احسان مانو گے تو میں تمہیں اور دوں گا)

اگر تیرا ایمان آخرت میں آگ کے اُن شعلوں کو جو ہر گنہگار کے لیے بھڑکیں گے بجھا دے گا تو

---

[1] یوسف: ۲۴ [2] نسا: ۱۴۷
[3] ابراہیم: ۷

دنیا میں آتشِ بلا کو کیونکر نہیں بجھائیگا، اے میرے اللہ! اگر بندہ مجاذیب میں سے ہو جو ولایت اور بزرگی کے لیے پسندیدہ ہے تو اس کے لیے آزمائش ضروری ہے تاکہ وہ اس آزمائش کے ذریعے خواہشاتِ میلانِ طبع اور نفس اس کی لذتوں سے آرام لینے، مخلوق پر تکیہ کرنے، ان کے قرب میں راضی رہنے، ان سے آرام چاہنے، ان کے ساتھ رہنے، اور ان سے خوش رہنے ایسے نقائص سے پاک و صاف کیا جائے لہٰذا وہ آزمائش میں ڈالا جاتا ہے تاکہ یہ ساری خرابیاں دُور ہو جائیں، اور ان کے کھل جانے سے دل پاک ہو جائے اور توحید و معرفتِ حق گوناگوں اسرار اور علوم و انوار کا محل بن کر رہ جائے اس لیے کہ دل ایک ایسا گھر ہے جس میں دو کی گنجائش نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

ماجعل اللہ لرجل من قلبین فی جوفہ[1]

(اللہ نے کسی آدمی کے اندر دو دل نہ رکھے)

دوسرے مقام پر ارشاد ہے:

ان الملوك اذا دخلوا قریۃً افسدوھا وجعلوا اعزۃ اھلھا اذلۃ[2]

(بے شک بادشاہ جب کسی بستی میں داخل ہوتے ہیں اسے تباہ کر دیتے ہیں اور اس کے عزت والوں کو ذلیل کرتے ہیں)

دل پر شیطان اور خواہشاتِ نفس کی حکومت تھی، اعضا ان کے حکم سے ہر طرح کے گناہ اور برائی میں مبتلا تھے اب وہ حکومت زائل ہو گئی اور اعضا نے آرام پایا، محل شاہی یعنی قلب خالی اور صحن خانہ یعنی سینہ پاکیزہ و منور ہو گیا، دل علوم و معرفت اور توحید کی جلوہ گاہ بن گیا اور سینہ واردات اور عجائباتِ غیبی کے نزول کا محل ہو گیا اور یہ سب انہی مصائب اور آزمائشوں کا ثمرہ ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشاد ہے:

"ہم گروہِ انبیاء آزمائش کے اعتبار سے تمام لوگوں سے سخت تر ہیں، اس کے بعد درجہ بدرجہ۔"

---

[1] احزاب: ۴

[2] نمل: ۳۴

اسی طرح آپ کا فرمان ہے :

انا اعرفکم باللہ واشدکم منہ خوفاً۔

(میں تم سب سے زیادہ اللہ کی معرفت رکھنے والا اور سب سے زیادہ اس سے ڈرنے والا ہوں)

جو شخص بادشاہ سے جتنا قریب ہوتا ہے خوف و خطر میں بھی وہ اسی قدر بڑھا ہوا ہوتا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ ہر وقت بادشاہ کے سامنے ہے اس کی تمام حرکات و سکنات پر بادشاہ کی کڑی نگاہ ہے، ممکن ہے اس مقام پر تیرے دل میں کھٹکا پیدا ہو کہ مخلوق تو ساری اللہ تعالیٰ کے نزدیک ایک شخص کی طرح ہے جس کی کوئی حرکت و سکون اس سے پوشیدہ نہیں ہے تو اس تمثیل کا کیا فائدہ ؟

اس کے متعلق ہم کہتے ہیں کہ جب اس کا رتبہ بلند ہوجاتا ہے تو خطرہ بھی بڑھ جاتا ہے کیونکہ اس پر خدا کی بے پایاں نعمت و فضل کا شکریہ واجب ہوجاتا ہے۔ اس مقام پر ذات باری کے غیر کی طرف معمولی سا التفات بھی اس کے شکر میں نقصان اور بندگی میں کوتاہی کا سبب بن جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

یا نساء النبی من یات منکن بفاحشۃ مبینۃ یضعف لھا العذاب ضعفین۔[1]

(اے نبی کی بیبیو! جو تم میں صریح حیا کے خلاف کوئی جرأت کرے اس پر اوروں سے دُونا عذاب ہوگا)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کے لیے یہ حکم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کے کمال تقرب کی عظیم نعمت کے حصول کے بعد آیا۔ لہٰذا جو شخص خود ذات باری سے واصل ہے، اس کے تو کہنے ہی کیا ہیں! اس کی ذات اس سے بلند و بالا ہے کہ مخلوق میں سے کسی کے ساتھ اسے تشبیہ دی جائے لیس کمثلہ شیٔ وھو السمیع البصیر[2] (اس جیسا کوئی نہیں اور وہی سنتا دیکھتا ہے)

---

[1] احزاب : ۳۰ [2] شوریٰ : ۱۱

(۲۸) احوالِ سالک

کیا تو راحت و سرور، آسودگی و مسرّت، امن و سکون اور ناز و نعمت کا خواہاں ہے حالانکہ تو ابھی تک گداختگی، نفس کُشی، خواہشات کے ختم کرنے اور دنیا و آخرت کی جزا و سزا سے بے فکری کی بھٹی میں ہے ابھی تک تیرے اندر ان کا اثر باقی ہے اے جلد باز! ٹھہر ٹھہر کر آہستہ چل، اے منتظر! جب تک یہ موانعات زائل نہیں ہوتے راستہ بند ہے اور جب تک ان میں سے تیرے اندر کوئی ذرہ بھی باقی ہے تیری حیثیت غلام مکاتب کی ہے چاہے صرف اس پر ایک درہم بھی باقی ہو۔ جب تک دنیا کی خواہشات، عزائم، اسباب، دنیا و آخرت میں بدلے کے سلسلے میں تیرے اندر ایک کھجور کی گٹھلی چوسنے اتنی لالچ بھی موجود ہے تو تو ابھی تک فنا کے دروازے پر ہے انتظار کر تاکہ فنا پوری طرح حاصل ہو جائے اور تجھے اس بھٹی سے نکالا جائے پھر تجھے آراستہ و پیراستہ کرکے خوشبو میں بسا کر بادشاہِ حقیقی کے حضور پیش کیا جائے اور وہاں تجھے اس طرح خطاب کیا جائے:

انک الیوم لدینا مکین امین[1]

(بے شک آج آپ ہمارے یہاں معزز معتمد ہیں)

اس کے بعد تجھ پر لطف و عنایت کا نزول ہوگا اور اسی کی بارگاہِ قدس سے تجھے طعام عطا کیے جائیں گے تجھے قربِ الٰہی اور فضلِ خداوندی سے نوازا جائے گا، مخفی اسرار و رموز آشکارا ہو جائیں گے ان مراتب کی بدولت تو تمام دنیوی چیزوں سے بے نیاز ہو جائے گا۔ کیا تو نے سونے کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں کو نہیں دیکھا کہ وہ صبح و شام عطاروں، کنجڑوں، قصابوں، چمڑہ صاف کرنے والوں، تیلیوں، جاروب کشوں اور دیگر محنت کشوں کے ہاتھوں میں گھومتے رہتے ہیں، پھر یہ متفرق اجزاء جمع کرکے زرگر کی بھٹی میں ڈالے جاتے ہیں۔ بھڑکتی ہوئی آگ کے شعلوں میں انہیں پگھلایا جاتا ہے اس کے بعد وہاں سے نکال کر انہیں نرم کیا جاتا ہے۔ اس کے بعد کاریگر اپنے فن کے ذریعے انہیں

---

[1] یوسف: ۵۴

خوبصورت زیورات کی شکل میں ڈھال لیتا ہے اس کے بعد انہیں پالش کے ذریعے مزید جلا دی جاتی ہے خوشبو لگائی جاتی ہے۔ عمدہ جگہوں، مقفل خزانوں اور پوشیدہ مقامات میں رکھے جاتے ہیں، پھر ان زیورات سے بادشاہوں کی بیگمات کو آراستہ کیا جاتا ہے الغرض وہ ٹکڑے کاریگروں کے ہاتھوں گلنے کٹنے کے بعد بادشاہ کے پاس پہنچ جاتے ہیں۔ اے مومن! بعینہٖ اسی طرح جب تو بھی قضائے الٰہی پر صابر اور تمام حالات میں راضی رہے گا تو دنیا میں تجھے بادشاہِ حقیقی کا قرب نصیب ہوگا، اور علم و معرفت اور اسرار کی دولت عطا کی جائے گی اور آخرت میں انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین کی معیت میں اللہ تعالیٰ کے جوارِ رحمت اور خاص مقاماتِ قرب و انس پر فائز ہوگا، لہٰذا صبر کر! جلدی نہ کر، تقدیرِ خداوندی پر راضی رہ حق پر تہمتیں نہ دھر! تجھے اس کی بخشش کی ٹھنڈک اس کی معرفت کی حلاوت اور اس کے لطف و کرم اور احسانات کی دولت نصیب ہوگی۔

(۲۹) تنگدستی اور کفر

بندہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لاکر اپنے تمام امور اسی کو سونپ دیتا ہے، اسے یقین ہوتا ہے کہ رزق میں فراخی اللہ تعالیٰ ہی کے ہاتھ میں ہے، اور جو کچھ اس کا مقسوم ہے، وہ اسے ضرور مل کر رہے گا، اور جو اس کے مقسوم میں نہیں ہے وہ اسے ہرگز نہیں مل سکتا، اسے اللہ تعالیٰ کے اس فرمان پر پوری طرح ایمان ہوتا ہے کہ:

ومن یتق اللہ یجعل لہٗ مخرجًا و یرزقہ من حیث لا یحتسب ومن یتوکل علی اللہ فھو حسبہٗ[1]

(اور جو اللہ سے ڈرے اللہ اس کے لیے نجات کی راہ نکال دے گا اور اسے وہاں سے روزی دے گا جہاں اس کا گمان نہ ہو اور جو اللہ پر بھروسا کرے تو وہ اسے کافی ہے)[1]

عافیت کی حالت میں بندہ یہ باتیں کہتا ہے اور ان پر اعتقاد رکھتا ہے۔ پھر اچانک اللہ تعالیٰ

---

[1] الطلاق: ۳

اسے فقر و فاقے کی آزمائش میں ڈال دیتا ہے تو وہ عاجزی و زاری کرنے لگ جاتا ہے لیکن اللہ تعالےٰ اسے آزمائش سے آزاد نہیں کرتا، اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان کاد الفقر ان یکون کفرا (تنگدستی کفر کے قریب پہنچا دیتی ہے) ثابت اور مستحق ہو جاتا ہے، اس کے بعد اللہ تعالیٰ جس سے اپنا لطف و کرم فرماتا ہے، اسے فقر و تنگدستی کی اس آزمائش سے نکال کر غنایت و دولت کی نعمت سے نواز دیتا ہے، اور اُسے اپنے شکر اور حمد و ثنا کی توفیق عطا فرماتا ہے، اور بندے کی یہ حالت آخر دم تک قائم رہتی ہے، البتہ اللہ تعالیٰ جس کی آزمائش کا ارادہ کرتا ہے اسے ہمیشہ کے لیے تنگدستی اور مصائب میں مبتلا کر دیتا ہے، پھر اس سے اس کے ایمان کی مدد منقطع ہو جاتی ہے چنانچہ وہ زبانِ اعتراض کھولنے، اس پر تہمتیں لگانے اور اس کے وعدے میں شک و شبہ کرنے کی وجہ کفر کا مرتکب ہو جاتا ہے بالآخر تقدیر خداوندی کے خلاف ناراضگی اور اسکی واضح نشانیوں کے انکار کی وجہ سے کفر ہی کی حالت میں دنیا سے رخصت ہو جاتا ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اس فرمان میں اسی طرف اشارہ فرمایا ہے:

ان اشد الناس عذاباً یوم القیامۃ رجل جمع اللہ له بین فقر الدنیا وعذاب الآخرۃ۔

(قیامت کے دن بدترین عذاب میں وہ شخص ہوگا جسے دنیا میں محتاجی و تنگدستی اور آخرت میں عذاب جہنم نصیب ہوا)

ہم اس سے اللہ کی پناہ چاہتے ہیں، یہی خدا سے غافل کر دینے والا وہ فقر ہے جس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پناہ مانگی ہے۔

اس کے علاوہ ایک دوسرا شخص وہ ہے کہ جس کی بزرگی اور مقبولیت کا اللہ تعالیٰ نے ارادہ کر لیا، اور اُسے اپنے خواص، اولیاء اور احباء میں سے بنایا، اُسے وارث الانبیاء اور سید الاولیاء کا بلند مرتبہ عطا فرمایا پھر اسے اپنے معزز بندوں علماء، حکماء، شفیع، نگہبان اور قائدین میں سے بنایا اور اسے اپنے مولیٰ کی طرف رہنما، ہدایت کے راستے دکھانے والا، خراب راستوں سے بچانے والا بنایا، اللہ تعالیٰ اپنی رحمتِ کاملہ سے اسے پہاڑوں بھر صبر، تقدیر خداوندی پر رضامندی اور موافقت کے سمندر اور افعالِ الٰہی میں فنا ہو جانے کے بلند مقامات عطا

فرماتا ہے اور اللہ تعالیٰ اُسے اپنی جود و عطا میں ڈھانپ لیتا ہے چنانچہ دن ہو یا رات، جلوت ہو یا خلوت، زندگی بھر رأفت و رحمت الٰہی اس کی ناز برداریاں کرتی رہتی ہے۔

(۳۰) مقامِ صبر

حیرانگی کی بات ہے کہ تو پوچھتا ہے کہ کون سے عمل اور کس تدبیر کے ذریعے مجھے اپنے مقصد میں کامیابی ہوگی؟ اس سلسلے میں تجھے نصیحت کی جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ جس کے حکم سے تیری یہ حالت قائم ہوئی ہے جب تک کشادگی پیدا نہ فرمائے تو اپنے مقام پر ٹھہرا رہ! اور اپنی حد سے تجاوز نہ کر، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اصبروا وصابروا ورابطوا واتقوا اللہ لعلکم تفلحون[1]

(صبر کرو اور صبر میں دشمنوں سے آگے رہو اور سرحد پر اسلامی ملک کی نگہبانی کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو اس امید پر کہ کامیاب ہو!)

اللہ تعالیٰ نے تجھے صبر و ربط، حفاظتِ حال اور اس پر مداومت کا حکم دیا ہے اور انہیں ترک کرنے سے ڈرایا ہے۔ فرمایا:

واتقوا اللہ یعنی انہیں چھوڑنے میں اللہ سے ڈرو! صبر اختیار کرو کہ بہتری اور سلامتی صبر ہی میں مضمر ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

الصبر من الایمان کالرأس من الجسد۔

ایمان میں صبر کا وہی مقام ہے جو جسم میں سر کا ہے اور مشہور ہے کہ ہر چیز کا ثواب اس کے اندازے کے مطابق ہوتا ہے لیکن صبر کا ثواب بے حد و شمار ہے، جیسا کہ فرمانِ خداوندی ہے:

انما یوفی الصابرون اجرھم بغیر حساب[2]۔

پھر جب تو صبر اور خود و اللہ کی حفاظت میں خدا سے ڈرے گا تو تجھے وہ نعمتیں عطا ہوں گی جن کا اس نے اپنی کتاب میں وعدہ کیا ہے۔ اس کا ارشاد ہے:

---

[1] آلِ عمران : ۲۰۰

[2] زمر : ۱۰

ومن یتق اللہ یجعل لہ مخرجا و یرزقہ من حیث لا یحتسب[1]

(اور جو اللہ سے ڈرے اللہ اس کے لیے نجات کی راہ نکال دے گا اور اسے وہاں سے روزی دے گا جہاں اس کا گمان نہ ہو)

صبر کے سلسلے میں تو متوکلین کا شیوہ اختیار کر تاکہ تجھے وسعت اور کشادگی نصیب ہو۔ ان حالات کے لیے کفایت کے بارے میں خدا تعالیٰ نے یوں وعدہ فرمایا ہے:

ومن یتوکل علی اللہ فھو حسبہ[2]

(جو اللہ پر بھروسا کرے تو وہ اسے کافی ہے)

تو صبر اور توکل کے ذریعے محسنین کی جماعت میں شامل ہو جا، اللہ تعالیٰ نیک بدلے کا وعدہ تو فرما ہی چکا ہے چنانچہ ارشاد ہے:

وکذالک نجزی المحسنین[3] (اور ہم ایسا ہی صلہ دیتے ہیں نیکوں کو)

ان پاکیزہ خصائل کو اپنانے کی وجہ سے وہ تجھے اپنا مقرب اور دوست بنا لے گا۔ اس کا فرمان ہے:

انّ اللہ یحب المحسنین[4]

پس صبر دنیا و آخرت میں ہر نیکی و سلامتی کی بنیاد ہے اور صبر ہی کی بدولت مومن رضا اور موافقت کے مقام کی طرف ترقی کرتا ہے، پھر تقدیر خداوندی میں اپنے آپ کو فنا کر دینا حالتِ بدلیت اور غیبت ہے اس مقام کو چھوڑنے سے ڈر! ورنہ دنیا و آخرت کی بھلائی تجھ سے زائل ہو جائے گی اور ندامت کے سوا کچھ ہاتھ نہ آئے گا۔

(۳۱) معیارِ محبت و عداوت

جب تو اپنے دل میں کسی شخص کی محبت یا عداوت پائے تو اس شخص کے اعمال کتاب و سنت کی کسوٹی پر پرکھ! اگر وہ اعمال کے لحاظ سے کتاب و سنت کا مخالف ہے، تو تو اللہ اور

---

[1] الطلاق : ۲
[2] الطلاق : ۳
[3] یوسف : ۲۲
[4] المائدہ : ۱۳

اس کے رسول سے دوستی و محبت پر خوش رہ ۔ اور اگر اس کے اعمال تو کتاب و سنت کے مطابق ہیں ، لیکن تو اسے دشمن سمجھتا ہے تو تجھے معلوم ہونا چاہئے کہ تو نفسانی خواہشات کا اسیر ہے اور ذاتی اغراض کی وجہ سے اس سے دشمنی رکھتا ہے ! اس بغض و عداوت کی وجہ سے تو اس پر ظلم کر رہا ہے اور خدا و رسول کے فرمان کی مخالفت کا ارتکاب کر رہا ہے لہٰذا اپنے اس بغض سے اللہ کے حضور توبہ کر ! اور اللہ تعالیٰ سے خود اس کی اور اس کے نیک بندوں ، دوستوں اور صالحین کی محبت کا سوال کر ! اور محبت کے سلسلے میں سنّتِ الٰہیہ کی پیروی کر ! اسی طرح جس شخص سے تو محبت رکھتا ہے اس کے افعال و کردار کتاب و سنّت کی روشنی میں جانچ ۔ اگر کتاب و سنّت کے مطابق اس کے اعمال درست ہیں تو اس سے بے شک محبت کر ! اور اگر اس کے اعمال بد ہیں تو اسے دشمن جان ! تاکہ تیری محبت و عداوت محض خواہشاتِ نفس کے تابع ہو کر نہ رہ جائے ، خواہشات نفسانی کی تو مخالفت کا تجھے حکم دیا گیا ہے ۔ ارشاد ہے :

ولا تتبع الھوٰی فیضلک عن سبیل اللہ۔[1]

(اور خواہش کے پیچھے نہ جانا کہ تجھے اللہ کی راہ سے بہکا دے گی)

(۳۲) محبّتِ الٰہی کا مقام

تعجب ہے کہ تو اکثر کہتا ہے کہ میں جس چیز سے محبت کرتا ہوں ، وہ عارضی ثابت ہوتی ہے ، کیونکہ جلد ہی درمیان میں جدائی ، موت یا عداوت کی دیوار حائل ہو جاتی ہے ، اگر مال سے محبت ہو تو وہ بھی جلدی ضائع ہو جاتا ہے یا گم ہو جاتا ہے ۔ اے خدا کے محبوب اور منظورِ نظر ! انعام یافتہ اور غیرت کردہ ! کیا تجھے پتہ نہیں کہ اللہ نے تجھے اپنے لیے پیدا کیا ہے اور تو غیر کی طرف جا رہا ہے ، کیا تو نے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد نہیں سُنا :

یحبھم و یحبونہٗ ۔

(اللہ ان کو اور وہ اللہ کو دوست رکھتے ہیں)

---

[1] ص : ۲۶

دُوسری جگہ فرمان ہے:

وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون[1]

(اور میں نے جن اور آدمی اِسی لیے بنائے ہیں کہ میری بندگی کریں)

کیا تُو نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد نہیں سُنا کہ جب اللہ کسی بندے کو دوست بناتا ہے تو اسے آزمائش میں ڈال دیتا ہے، اگر وہ اس پر صبر اختیار کرے تو اللہ اس کی نگہبانی کرتا ہے۔ دریافت کیا گیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! نگہبانی کے کیا معنی ہیں؟ فرمایا: اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے اس بندے کے دل سے مال اور اولاد کی محبت اٹھالیتا ہے اور یہ اس لیے ہوتا ہے کہ اگر بندہ مال و اولاد کی محبت میں کھو جائے تو خالقِ حقیقی سے اس کی محبت بٹ جائے گی اور اس کے حصے بخرے ہو جائیں گے، اور اس کی محبت اللہ تعالیٰ اور اس کے غیر میں مشترک ہو جائے گی حالانکہ اللہ تعالیٰ اپنے ساتھ شراکت پسند نہیں فرماتا، وہ بڑا غیرت والا ہر شئی پر قادر اور غالب ہے اپنے شریک کو ہلاک اور نیست کر دیتا ہے تاکہ اپنے بندے کے دل کو غیر کے دخل سے پاک کرکے صرف اپنے لیے خاص کر دے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ کا فرمان یحبھم و یحبونہ[2] کا مظاہرہ ہوتا ہے اور بندے کا دل ہر قسم کے شریک، مال و اولاد، لذات و شہوات، طلب امارت و ریاست، منازلِ بہشت اور درجات و مقامات سے پاک ہو جاتا ہے اس کے دل میں کوئی ارادہ اور تمنا باقی نہیں رہتی، اس وقت اس کی مثال اس برتن کی ہو جاتی ہے جس میں کوئی بہنے والی چیز نہیں ٹھہرتی، اس لیے کہ دل کی یہ کیفیت اللہ تعالیٰ کے فعل سے واقع ہوتی ہے۔
اب اگر دل میں کوئی تمنا یا خواہش پیدا ہو گی تو غیرتِ الٰہی اپنے عمل سے اسے ختم کر دے گی، اور قلب کے گرد عظمت و جبروت اور ہیبت حق کے پردے لٹکا دیئے جائیں گے، اور رعب و کبریائی کی خندقیں کھود دی جائیں گی، اس وقت دل کی طرف کسی شے کا ارادہ نہیں پہنچ پائے گا۔ چنانچہ یہی وہ مقام ہے جہاں بیوی، بچے، دوست کرامت، عبارات اور مال و اسباب میں سے کوئی چیز بھی دل پر اثر انداز نہیں ہو سکتی، کیونکہ یہ سب چیزیں قلب سے خارج ہیں، چنانچہ ایسی حالت

---

[1] الذّٰریٰت: ۵۶ [2] مائدہ: ۵۴

میں اللہ تعالیٰ بھی غیرت نہیں کرتا، بلکہ یہ تمام چیزیں بندے کے لیے اللہ کی طرف سے عزت افزائی لطف و نعمت اور اس کی طرف آنے والوں کے لیے باعثِ منفعت ہو جائیں گی، اسی وجہ سے اسے بزرگی و شرافت ملتی ہے اور اس کی رحمت و حفاظت سایہ کرتی ہے پھر وہ بندہ دنیا و آخرت میں ان کا نگہبان کوتوال، جائے پناہ اور شفیع ہو جائے گا۔[1]

(۴۳) انسانی مدارج

لوگ چار قسم کے ہیں، ایک وہ جس کی نہ زبان ہے اور نہ دل، یہ عامی، ناتجربہ کار اور ذلیل شخص ہے۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک نہ وہ کسی شمار قطار میں ہے اور نہ اس میں کوئی بھلائی و بہتری ہے، اس کی مثال بھوسے کی ہے، ایسے لوگوں کی کوئی قدر و قیمت نہیں، ہاں البتہ اگر اللہ تعالیٰ ان پر اپنی رحمت کاملہ نازل فرما دے، ان کے قلوب کو اپنے ایمان کے نور سے منور کر دے، اور ان کے اعضاء و جوارح کو اپنی بندگی کی سعادت ارزانی کرے، تو یہ الگ بات ہے تو اس گروہ میں ہونے سے بچ اور نہ ہی اپنے پاس انہیں پناہ دے، تو ان سے ڈر اور ان میں شامل نہ ہو، کیونکہ یہی وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے غیظ و غضب اور عذاب کا نشانہ ہیں، نار دوزخ کے مستحق اور اس کے باسی ہیں۔ (نعوذ باللہ منہم) تو اللہ تعالیٰ کے علماء، نیکی سکھانے والے دین کی رہنمائی کرنے والے، دین کی طرف لانے والے اور اس کے مبلغین کی پاکیزہ جماعت میں سے ہو جا، انہی لوگوں کی صحبت اختیار کر، اور ان کے قریب آ، لوگوں کو اللہ کی اطاعت کی دعوت دے اور انہیں خدا کی نافرمانی سے ڈرا! اس پر تجھے اللہ تعالیٰ کے ہاں تقرب حاصل ہوگا اور تجھے انبیاء و رسل کا ثواب عطا کیا جائے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے ارشاد فرمایا کہ "اگر تیری تعلیم سے اللہ کسی ایک شخص کو بھی ہدایت نصیب فرما دے تو یہ بات تیرے لیے تمام دنیا سے افضل ہے"۔ دوسرا شخص وہ ہے جس کی زبان تو ہے لیکن دل نہیں ہے وہ دانائی اور حکمت کی باتیں کرتا ہے لیکن خود ان پر عمل نہیں کرتا، لوگوں کو اللہ کی طرف بلاتا ہے مگر خود اللہ سے دور بھاگتا ہے، دوسروں کے عیوب نکالتا رہتا ہے لیکن خود انہی عیوب میں مبتلا رہتا ہے لوگوں پر اپنے زہد و اتقاء کا رعب ڈالتا ہے حالانکہ خود کبیرہ گناہوں کے ذریعے اللہ تعالیٰ

---

[1] مصری نسخے میں یہ مقالہ قدرے مختصر ہے!

کے ساتھ آمادۂ پیکار رہتا ہے، خلوت میں وہ انسان نما بھیڑیا ہوتا ہے، بلاشبہ یہی وہ شخص ہے جس سے ڈراتے ہوئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

"سب سے بڑی چیز جس سے میں اپنی امت کے لیے ڈرتا ہوں وہ علماء کی بے عملی ہے (نعوذ باللہ منہم) ایسے شخص سے دور رہ! کہیں اس کی شیریں زبانی تجھے بہلا نہ لے اور تجھے اس کے گناہوں کی آگ جلا نہ ڈالے، اور کہیں اس کے باطن کی گندگی تجھے ہلاک نہ کر ڈالے، تیسرا شخص وُہ ہے جس کے پاس دل تو ہے مگر زبان نہیں، یہ مومن ہے اللہ نے اسے مخلوق سے چھپا کر اس پر اپنا پردہ ڈال دیا ہے اسے اپنے عیوب پہ بینا اور اس کا دل منور کر دیا ہے اسے لوگوں سے کثرت ملاقات کے معائب اور زیادہ گفتگو کی خرابیوں سے آگاہ کر دیا۔ چنانچہ اس نے یقین کر لیا کہ خاموشی اور گوشہ نشینی میں سلامتی ہے جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: "جو خاموش رہا اس نے نجات پائی"۔ اور اسی طرح آپ کا فرمان ہے کہ "عبادت کے دس اجزا ہیں، ان میں سے نو جزء خاموشی میں ہیں یہ شخص اللہ تعالیٰ کا دوست ہے، اور اس کے ساتھ ہی وہ محفوظ، سلامت، عقلمند، صاحبِ نعمت اور خدا کا ہمنشیں ہے۔ تمام بھلائیاں اسی کے پاس ہیں، ایسے شخص کی صحبت اختیار کر، اور اس کی مصاحبت، خدمت اور اس کی ضروریات و حوائج میں تعاون کے ذریعے اس کے ساتھ دوستی پیدا کر، جو چیز بھی اس کے آرام و سکون کا موجب ہو اس سے اس کی دل گیری کر! ان شاء اللہ العزیز اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ تجھے اپنے قرب میں لے کر عزت بخشے گا، اور تجھے اپنے محبوب و مقرب بندوں میں شامل کر لے گا! چوتھا شخص وُہ ہے جسے اعزاز و اکرام کے ساتھ عالمِ ملکوت میں بلایا گیا جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے:

"جس نے علم حاصل کیا اس پر عمل کیا اور دوسروں کو سکھایا، اُسے ملکوت میں عزت کے ساتھ بُلایا جائے گا۔"

یہی وُہ شخص ہے جو ذاتِ الٰہی اور اس کی آیات کا عارف ہے اور اس کا دل علوم الٰہی کا امین ہے اللہ تعالیٰ نے اُسے ایسے اسرار و رموز سے آگاہی بخشی ہے جو صرف اسی کے لیے مختص ہیں، اسے برگزیدہ اور مقبول بنایا، مخلوق میں سے چُن کر اسے ہدایت دی اور اپنی طرف راہ دی، اس کے سینہ کو اسرار و علوم کے اخذ و قبول کا سرچشمہ بنایا، اسے دانشمند اور مخلوق کیلئے

ہادی، برائی سے ڈرانے والا، ہدایت یافتہ، سفارش کرنے والا، سفارش قبول کردہ، سچا، مصدق اور انبیاء ورسل علیہم السلام کا خلیفہ بنایا، پس بنی آدم میں یہی شخص ایمان کے بلند ترین مقام پر فائز ہے مرتبہ نبوت کے علاوہ اس سے بلند کوئی درجہ نہیں ہے ایسے شخص کی صحبت اختیار کر اور اس کی مخالفت کرنے، اس سے نفرت کرنے، اس سے کنارہ کشی اختیار کرنے، اس کی بات نہ ماننے اور اس کی نصیحت پر کان نہ دھرنے سے ڈر! کیونکہ سلامتی کا مرکز تو اس کی ذات اور اس کی باتیں ہیں، اس کے ماسوا میں گمراہی اور ہلاکت ہے مگر جسے اللہ تعالیٰ سچائی اور رحمت کاملہ کی مدد و توفیق عنایت کرے۔ میں نے لوگوں کی ہر چہار اقسام تجھے بیان کر دی ہیں، تو غور و فکر کر! اگر غور و فکر کرنے والا ہے! اور اگر اپنے وجود پر مہربان ہے تو اسے بچا! اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ کو دنیا و آخرت میں اپنے پسندیدہ امور کی توفیق ارزانی فرمائے، آمین۔

(۲۴) افعالِ خداوندی پر اعتراض کی ممانعت

حیرت ہے کہ تو اللہ تعالیٰ پر ناراض ہوتا ہے اس پر تہمتیں دھرتا اور اعتراض کرتا ہے اس کی طرف ظلم کی نسبت کرنے، رزق دینے اور مال و دولت عطا کرنے، مصائب اور سختیوں کے ہٹانے میں اس کی طرف تاخیر جیسے الزامات سے بھی نہیں چوکتا، کیا تجھے پتہ نہیں کہ ہر چیز کے لیے ایک نوشتہ اور ہر مصیبت و سختی کے لیے ایک غایت اور انتہا ہے، اس میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں ہو سکتی، خیال رہے کہ بلا اور مصائب کی گھڑیاں عافیت اور امن سے نہیں بدل سکتیں۔ اسی طرح سختی نرمی سے اور فقر و فاقہ تونگری و دولت مندی سے اپنے مقررہ وقت سے پہلے تبدیل نہیں ہو سکتے، تو ادب اختیار کر، خاموشی اور صبر و رضا اور اپنے پروردگار کی اطاعت اپنا وطیرہ بنا! اللہ تعالیٰ پر ناراض ہونے اور اس کے فعل پر تہمت لگانے سے توبہ کر! اللہ تعالیٰ کے ہاں حق کا پورا مطالبہ کرنا، اور گناہ کے بغیر عام انسانی دستور کے مطابق طبیعت کی خواہش پر کسی کا بدلا لینا نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ ازل سے یکتا اور ہر چیز سے پہلے ہے اس نے تمام اشیاء، اور ان کی بھلائیوں اور خرابیوں کو پیدا کیا، وہ ہر چیز کے آغاز و انجام اور ابتداء و انتہا کا عالم ہے، اس کے تمام

(۳۴) افعالِ خداوندی پر اعتراض کی ممانعت

حیرت ہے کہ تو اللہ تعالیٰ پر ناراض ہوتا ہے اس پر تہمتیں دھرتا اور اعتراض کرتا ہے اس کی طرف ظلم کی نسبت کرنے، رزق دینے اور مال و دولت عطا کرنے، مصائب اور سختیوں کے ہٹانے میں اس کی طرف تاخیر جیسے الزامات سے بھی نہیں چوکتا، کیا تجھے پتہ نہیں کہ ہر چیز کے لیے ایک نوشتہ اور ہر مصیبت و سختی کے لیے ایک غایت اور انتہا ہے، اس میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں ہو سکتی، خیال رہے کہ بلا اور مصائب کی گھڑیاں عافیت اور امن سے نہیں بدل سکتیں۔ اسی طرح سختی نرمی سے اور فقر و فاقہ تونگری و دولت مندی سے اپنے مقررہ وقت سے پہلے تبدیل نہیں ہو سکتے، تو ادب اختیار کر، خاموشی اور صبر و رضا اور اپنے پروردگار کی اطاعت اپنا وطیرہ بنا! اللہ تعالیٰ پر ناراض ہونے اور اس کے فعل پر تہمت لگانے سے توبہ کر! اللہ تعالیٰ کے ہاں حق کا پورا مطالبہ کرنا، اور گناہ کے بغیر عام انسانی دستور کے مطابق طبیعت کی خواہش پر کسی کا بدلا لینا نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ ازل سے یکتا اور ہر چیز سے پہلے ہے اس نے تمام اشیاء، اور ان کی بھلائیوں اور خرابیوں کو پیدا کیا، وہ ہر چیز کے آغاز و انجام اور ابتدا و انتہا کا عالم ہے، اس کے تمام

افعال حکمت پر مبنی اور اس کی ہر صنعت مضبوط ہے، اس کے کاموں میں باہم نہ کوئی تضاد ہے، اور نہ ہی اس کا کوئی کام بے فائدہ ہے۔ اس نے کسی بھی چیز کو بے کار نہیں بنایا، لہٰذا اس کی ذات کی طرف نہ تو کسی نقص و خامی کی نسبت درست ہے اور نہ ہی اس کے کسی فعل پر انگشت نمائی کی جا سکتی ہے اگر تو اس کی موافقت و رضا اور اس کے افعال میں فنا ہونے سے قاصر ہے تو کشادگی کار کا انتظار کر، یہاں تک کہ نوشتہ تقدیر پورا ہو جائے اور وقت کے گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ حالت کسی بہتر حالت سے بدل جائے جس طرح سردی کے بعد گرمی اور رات کے بعد دن آتا ہے۔ اگر تو دن کی روشنی اور چمک سرِ شام طلب کرے گا تو نہیں پائے گا بلکہ رات کی تاریکی میں زیادتی ہوگی، یہاں تک کہ رات کی تاریکی اپنی انتہا کو پہنچ جائے گی، فجر طلوع ہوگی اور منور دن آ جائے گا۔ اس وقت چاہے تو دن کی طلب اور ارادہ کرے چاہے دن کا طلوع ہونا تجھے ناگوار گزرے دن بہر طور ہو کر رہے گا اگر اس وقت تو چاہے کہ یہ دن رات میں بدل جائے تو تیری یہ دعا قبول نہ ہوگی کیونکہ تیری یہ تمنا بے وقت ہے چنانچہ اس تمنا سے سوائے حسرت، محرومی، ناخوشی اور شرمندگی کے کچھ بھی حاصل نہ ہوگا، لہٰذا یہ تمام باتیں چھوڑ دے اور حق تعالیٰ کی طاعت اس سے حُسنِ ظن اور صبرِ جمیل اختیار کر، جو چیز تیرے مقدر میں ہے وُہ تجھ سے ہرگز نہیں چھینی جائیگی اور جو تیرا مقدر نہیں ہے وہ تجھے قطعاً نہیں ملے گی۔ مجھے اپنی زندگی کی قسم ہے کہ جب تو عبادت و ریاضت اور تضرع و عاجزی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے فرمان ادعونی استجب لکم اور واسئلوا اللہ من فضلہ کے مطابق دعا کرتا ہے، تو اللہ تعالیٰ مقررہ وقت پر تیرے لیے دینی و دنیوی مصالح کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے قبول فرماتا ہے۔ دعا میں تاخیر قبولیت پر اس کی ذات پر اتہام نہ لگاؤ نہ ہی دُعا سے اُکتا کیونکہ اگر تجھے ظاہراً دُعا سے فائدہ حاصل نہیں ہُوا تو نقصان بھی نہیں ہوگا۔ اگر دنیا میں تیری دعا قبول نہیں ہُوئی تو آخرت میں تجھے ضرور اس کا ثواب ملے گا۔ حدیث میں آیا ہے کہ قیامت کے دن بندہ اپنے نامۂ اعمال میں بعض ایسی نیکیاں دیکھے گا کہ اسے ان کا علم بھی نہیں ہوگا، چنانچہ اس وقت اسے آگاہ کیا جائے گا کہ یہ نیکیاں تیری ان دُعاؤں کا بدلہ ہیں، جو تو دنیا

---

[1] مومن : ۶۰

میں برابر مانگتا رہا ہے مگر اس دنیا میں ان کی قبولیت مقدر نہ تھی! یا جیسا کہ حدیث میں وارد ہوا ہے کہ "تیری ادنیٰ حالت یہ ہو کہ تو ہر وقت اپنے مولیٰ سے لو لگائے رہے اسے واحد یکتا جانے اپنی تمام ضروریات اور حاجتیں اسی کی بارگاہ میں پیش کرے اور اس کے ما سوا کو خاطر میں نہ لائے، تو اپنے تمام حالات، لیل و نہار، بیماری و صحت اور سختی و نرمی میں عام طور پر دو صورتوں میں سے ایک پر کار بند ہے، یا تو دعا سے خاموش تقدیر الٰہی پر راضی و شاکر، اور اللہ تعالیٰ کے افعال کی موافقت میں اس قدر بے اختیار ہو گا جیسے مُردہ غسال کے سامنے، شیر خوار بچہ دایہ کے ہاتھوں یا گیند سوار کے سامنے جسے وُہ چوگان سے پھرا رہا ہوتا ہے، اس وقت تقدیر خداوندی جس طرح چاہے گی تجھے پھرائے گی، پس تیرا کام حمد اور شکر خداوندی ہے اور خدائے بزرگ و برتر کی طرف سے عطا و بخشش کی فراوانی ہے، جیسا کہ فرمانِ خداوندی ہے:

لئن شکرتم لازیدنکم [1]

اور اگر سختی ہے تو بھی تجھے اسی کے فضل و کرم سے صبر اور موافقت کی ضرورت ہے ایسے حالات میں مدد، ثابت قدمی اور حمایت و نصرت بھی اسی ذاتِ یکتا سے عنایت ہوتی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

ان تنصروا اللہ ینصرکم ویثبت اقدامکم [2]

(اگر تم دینِ خدا کی مدد کرو گے اللہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے قدم جما دے گا)

جب تو اعتراض اور افعالِ الٰہی پر انگشت نمائی چھوڑ دے گا، خواہشاتِ نفس کے مقابلے میں طاعتِ الٰہی اختیار کرے گا اور جب نفس کفر و شرک کی طرف مائل ہو تو تو محض رضائے الٰہی کی خاطر خواہشاتِ نفس کا دشمن اور کٹر مخالف ہو جائے گا اور صبر، طاعتِ الٰہی اور تقدیر خداوندی پر رضامندی و طمانیت کے ساتھ نفس کو کچل دے گا تو اللہ تعالیٰ تیرا معین و مددگار ہو جائے گا اپنی رحمتِ کاملہ کے بارے میں اس نے فرمایا ہے:

---

[1] ابراہیم: ۷ [2] محمد: ۷

وبشر الصابرین الذین اذا اصابتہم مصیبۃ قالوا انا للہ وانا الیہ راجعون اولٰئک علیہم صلوٰۃ من ربہم ورحمۃ واولٰئک ہم المہتدون ؁[1]

(اور خوشخبری سنا ان صبر والوں کو کہ جب ان پر کوئی مصیبت پڑے تو کہیں ہم اللہ کے مال ہیں اور ہم کو اسی کی طرف پھرنا ہے یہ وہ لوگ ہیں جن پر ان کے رب کی درودیں ہیں اور رحمت اور یہی لوگ راہ پر ہیں)

دُوسری صورت یہ ہے کہ دُعا اور عاجزی کے ساتھ اس کے احکام کی تعمیل کرتے ہوئے اُسے عظیم جانتے ہُوئے اس کے درِ رحمت پر گِر جائے۔ اس کا فرمان ہے: ادعوا ربکم۔ اور یہ کوئی غیر معقول بات نہیں بلکہ اس کے حکم کی تعمیل اور بجا آوری ہے کیونکہ اس نے خود تجھے سوال کرنے اور اپنی طرف رجوع کرنے کا حکم دیا ہے۔ اس نے یہ سوال تیرے لیے باعثِ راحت اور تیری جانب سے اپنی بارگاہِ قدس کے لیے واسطہ، وسیلہ اور سبب بنا دیا ہے، مگر شرط یہ ہے کہ قبولیتِ دُعا تک تو اللہ تعالیٰ پر عجلت میں تُہمت دھرے اور نہ ہی جبیں بجبیں ہو۔

دونوں صورتوں کے باہمی فرق کا اندازہ کر اور ان کی حدود سے تجاوز نہ کر، کیونکہ ان دو صورتوں کے علاوہ کوئی تیسری صورت نہیں ہے۔ حد سے تجاوز کرنے، ظالموں میں ہونے سے ڈر! ورنہ اللہ تعالیٰ تجھے مٹا کر ختم کر دے گا۔ جس طرح اس نے اگلی اُمتوں کو دنیا میں سخت مصائب اور آخرت میں دردناک عذاب سے دوچار کر کے ہلاک کر ڈالا ہے۔

سبحان اللہ العظیم! اے میرے تمام حالات کے جاننے والے! تجھی پر میرا بھروسہ ہے!

(۲۵) پرہیزگاری کا مقام

پرہیزگاری اختیار کر! کیونکہ ہلاکت کی رسّی کا پھندہ تیرے گلے میں پڑا ہوا ہے جب تک رحمتِ خداوندی تجھے اپنی آغوش میں نہ لے ہرگز تیری نجات نہیں ہو سکتی۔ حدیث کی روشنی

---

[1] البقرہ: ۱۵۶ - ۱۵۷

میں یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ دین کی اصل پرہیزگاری ہے اور اس کی بربادی لالچ ہے ظاہر بات ہے کہ جو چراگاہ کے گرد گھومے گا وہ اس میں داخل بھی ہوگا جس طرح کھیتی کے قریب چرنیوالا جانور کسی بھی وقت اس کی طرف منہ بڑھا سکتا ہے اور اس سے کھیتی محفوظ نہیں رہ سکتی ،

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ ہم دس حلال چیزوں میں سے نو اس خوف سے چھوڑ دیتے تھے کہ حرام میں نہ پڑ جائیں۔ اسی طرح حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم گناہ میں مبتلا ہو جانے کے خوف سے مباح کے بھی ستر دروازے ترک کر دیتے تھے ۔ ان نفوس قدسیہ نے یہ کمالِ احتیاط حرام کی نزدیکی سے بچنے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان پر عمل کرتے ہوئے اختیار کی ، آپ کا فرمان ہے : خوب اچھی طرح جان لو! کہ ہر بادشاہ کی چراگاہ ہوتی ہے اور اللہ کی چراگاہ اس کی حرام کردہ اشیاء ہیں ، چنانچہ جو شخص چراگاہ کے اِرد گرد پھرے گا ممکن ہے وہ اس میں داخل ہو جائے ، مگر جو شخص شاہی قلعہ میں داخل ہو گیا ، اور پہلے ، دوسرے اور تیسرے دروازے سے گزر کر خاص درِ شاہی پر پہنچ گیا ، وہ اس شخص سے یقیناً بہتر ہے جو ابھی تک ویرانے کے قریب پہلے دروازے پر کھڑا ہے کیونکہ اگر آخری دروازہ بند بھی ہو جائے تو بھی اسے کوئی نقصان نہیں کیونکہ وہ شاہی قلعہ کے دو دروازے عبور کر چکا ہے ، اور یہاں اس کے ساتھ شاہی خزانہ اور لشکر ہے ، اس کے برعکس اگر وہ پہلے دروازے پر ہوتا اور وہ بھی اس پر بند ہو جاتا تو وہ بیابان میں اکیلا رہ جاتا ، دشمن اور جنگلی پرندے اسے ہلاک کر ڈالتے !

ٹھیک اسی طرح جو شخص عزیمت پر کاربند ہے اگر بالفرض اس سے توفیق الٰہی اور رعایت منہ موڑ لے تو وہ رخصت پر آجائے گا اور شریعت کے دائرہ سے باہر نہیں نکلے گا ، اگر اس حالت میں اسے موت بھی آجائے تو وہ عبادات اور طاعات پر ہوگی اور اس کے لیے عمل صالح کی گواہی دی جائے گی مگر جو رخصت پر قائم رہا اور عزیمت کی طرف اس نے قدم نہ بڑھایا اگر اس سے توفیق اور امداد ایزدی منقطع ہو جائے تو اس پر خواہشاتِ نفس کا غلبہ ہو جائے گا وہ حرام کا مرتکب اور حدودِ شریعت سے تجاوز کر بیٹھے گا اور آخر کار اللہ کے دشمن گمراہ شیاطین کی جماعت میں اس کا شمار ہوگا ، اگر اللہ تعالیٰ کی رحمت اور فضل و کرم اُسے اپنی پناہ میں لے لے تو خیر ورنہ توبہ سے پہلے موت کی صورت میں اس کے لیے ہلاکت ہی ہلاکت ہے ، حاصل کلام رخصت پر

قائم رہنے میں ہر طرح کا خطرہ اور عزیمت پر عمل کرنے میں ہر طرح سے سلامتی ہے۔

(۲۶) دُنیا اور آخرت

تو آخرت کو اپنا اصل سرمایہ (رأس المال) اور دنیا کو اس کا نفع بنا، سب سے پہلے تو اپنا وقت حصولِ آخرت پر صرف کر، ہاں اگر اس سے کچھ فاضل وقت بچ جائے تو اسے دنیاوی امور مثلاً طلبِ معاش وغیرہ میں خرچ کر، دنیا کو رأس المال اور آخرت کو اس کا نفع نہ بنا، کہ اگر کچھ وقت بچ رہے تو اُسے کارِ آخرت میں صرف کرے۔ نماز پنجگانہ اور دیگر واجبات حضورِ قلب کے بغیر عجلت میں ادا کرے یا بار اور تکلیف سمجھتے ہُوئے سرے سے ادا ہی نہ کرے اور سو جائے تیری شب لہو ولعب میں اور دن خواہشاتِ نفس کی پیروی میں گزر جائے، اور تو شیطان کا پیروکار دنیا کے بدلے آخرت کا بیچنے والا، نفس کا بندہ اور اس کا بے دام غلام ہو کر رہ جائے، حالانکہ تجھے نفس کو مغلوب کرنے، اس کو مطیع بنانے، راہِ خدا میں اُسے ریاضت و مشقت کا عادی کرنے اور راستے پر سلامتی کے ساتھ چلانے کا حکم دیا گیا تھا! اور یہ راستے آخرت اور مالک وخالقِ نفس ہی کے تو ہیں، لیکن تو نے خواہشاتِ نفس کا اتباع کر کے خود اس پر ظلم کیا، اس کی باگ تو نے اسی کو سونپ دی، اس کی خواہشات کی پیروی کی اور شیطان کی موافقت کی، نتیجہ یہ نکلا کہ تجھ سے دنیا و آخرت کی بھلائی ضائع ہوگئی اور دین و دنیا کا نقصان تیرے گلے پڑ گیا۔ ان حالات میں قیامت کے دن تو بہت ہی مفلس اور دینی اعتبار سے انتہائی خسارہ اٹھانے والوں میں سے ہوگا، حالانکہ اتباعِ نفس کے سبب تو دنیاوی نفع بھی کچھ زیادہ حاصل نہیں کر سکا اگر تو نفس کو راہِ آخرت پر چلاتا اور آخرت کو اپنا رأس المال بناتا تو دنیا وعقبیٰ دونوں سے بیش از بیش نفع حاصل کرتا اور تجھے باعزت طور پر دنیاوی حصہ بھی مل جاتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشاد ہے:

"اللہ تعالیٰ دنیا آخرت کی نیت پر عطا کرتا ہے دنیا کی نیت پر آخرت نہیں دیتا۔"

اور کیونکر نہ ہو، آخرت کی نیت تو اللہ کی عبادت ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ نیت عبادت کی رُوح اور اصل ہے، البتہ جب تُو نے زہد و تقویٰ اور طلبِ آخرت کے ذریعے اطاعتِ الٰہی

قائم رہنے میں ہر طرح کا خطرہ اور عزیمت پر عمل کرنے میں ہر طرح سے سلامتی ہے۔

(۲۶) دُنیا اور آخرت

تو آخرت کو اپنا اصل سرمایہ (راس المال) اور دنیا کو اس کا نفع بنا، سب سے پہلے تو اپنا وقت حصولِ آخرت پر صرف کر، ہاں اگر اس سے کچھ فاضل وقت بچ جائے تو اسے دنیاوی امور مثلاً طلبِ معاش وغیرہ میں خرچ کر، دنیا کو راس المال اور آخرت کو اس کا نفع نہ بنا، کہ اگر کچھ وقت بچ رہے تو اُسے کارِ آخرت میں صرف کرے، نماز پنجگانہ اور دیگر واجبات حضورِ قلب کے بغیر عجلت میں ادا کرے یا بار اور تکلیف سمجھتے ہُوئے سرے سے ادا ہی نہ کرے اور سو جائے تیری شب لہو ولعب میں اور دن خواہشاتِ نفس کی پیروی میں گزر جائے، اور تو شیطان کا پیروکار دنیا کے بدلے آخرت کا بیچنے والا، نفس کا بندہ اور اس کا بے دام غلام ہو کر رہ جائے، حالانکہ تجھے نفس کو مغلوب کرنے، اس کو مطیع بنانے، راہِ خدا میں اُسے ریاضت و مشقت کا عادی کرنے اور راستے پر سلامتی کے ساتھ چلانے کا حکم دیا گیا تھا! اور یہ راستے آخرت اور مالک وخالقِ نفس ہی کے تو ہیں، لیکن تو نے خواہشاتِ نفس کا اتباع کر کے خود اس پر ظلم کیا، اس کی باگ تو نے اسی کو سونپ دی، اس کی خواہشات کی پیروی کی اور شیطان کی موافقت کی، نتیجہ یہ نکلا کہ تجھ سے دنیا و آخرت کی بھلائی ضائع ہوگئی اور دین و دنیا کا نقصان تیرے گلے پڑ گیا۔ ان حالات میں قیامت کے دن تو بہت ہی مفلس اور دینی اعتبار سے انتہائی خسارہ اٹھانے والوں میں سے ہوگا، حالانکہ اتباعِ نفس کے سبب تو دنیاوی نفع بھی کچھ زیادہ حاصل نہیں کر سکا اگر تو نفس کو راہِ آخرت پر چلاتا اور آخرت کو اپنا راس المال بناتا تو دنیا وعقبیٰ دونوں سے بیش از بیش نفع حاصل کرتا اور تجھے باعزت طور پر دنیاوی حصہ بھی مل جاتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشاد ہے:

"اللہ تعالیٰ دنیا آخرت کی نیت پر عطا کرتا ہے دُنیا کی نیت پر آخرت نہیں دیتا۔"

اور کیونکر نہ ہو، آخرت کی نیت تو اللہ کی عبادت ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ نیت عبادت کی رُوح اور اصل ہے، البتہ جب تُو نے زہد و تقویٰ اور طلبِ آخرت کے ذریعے اطاعتِ الٰہی

اختیار کی، تو تو اہلِ طاعت و محبت اور خاصانِ خدا میں سے ہو جائے گا، اور تجھے آخرت یعنی جنت اور قربِ خداوندی حاصل ہوگا، دنیا تیری خادم ہو گی اور دنیا میں سے جو حصہ تیرا مقدر ہے اللہ تعالیٰ وُہ پورے کا پورا تجھے عطا کرے گا! کیونکہ یہ ساری چیزیں اپنے خالق و مالک کی تابع اور اس کے حکم کی پابند ہیں، اور اگر تو دنیوی امور میں ایسا مشغول ہو گیا کہ تجھے آخرت کا خیال نہ رہا، تو تجھ پر غضبِ الٰہی نازل ہوگا، تیری اخروی زندگی تباہ ہو جائے گی اور دنیا تیری نافرمانی کرے گی اور تیرا مقدر تجھے ملنے میں رکاوٹ کا باعث بنے گی کیونکہ دنیا اللہ تعالیٰ کے حکم کی پابند اور مملوک ہے جو شخص اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتا ہے وُہ اسے ذلیل کرتی ہے[1] اور جو اس کی اطاعت کرتا ہے دنیا اس کے پیچھے بھاگتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان اسی صورتِ حال کے لیے ہے کہ:

"دنیا اور آخرت دو سوکنیں ہیں اگر ایک کو راضی رکھے گا تو دوسری ناراض ہو جائے گی۔"

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

منکم من یرید الدنیا ومنکم من یرید الاٰخرة[2]

(تم میں کوئی دنیا چاہتا تھا اور تم میں کوئی آخرت چاہتا تھا)

بعض لوگ دنیا میں محو اور فنا ہیں، اور بعض میدانِ آخرت کے شہسوار تو غور کر اور اپنی حالت کا جائزہ لے کہ کس گروہ میں سے ہے اس دنیا میں رہتے ہوئے تو کون سے گروہ میں سے ہونا پسند کرتا ہے جب تو دارِ آخرت کی طرف چلے گا تو وہاں صاف تجھے دو جماعتیں نظر آئیں گی ایک اہلِ جنت اور دوسرے اہلِ دوزخ! پھر ان میں سے فریقِ ثانی اللہ تعالیٰ کے فرمان کے مطابق پچاس ہزار برس کے برابر طویل یومِ قیامت میں حساب کے لیے ٹھہرا رہے گا۔ اور فریقِ اوّل، عرشِ الٰہی کے سائے میں خوانِ خداوندی پر انواع و اقسام کے میوہ جات اور طعاموں سے لطف اندوز ہوگا، حدیث

---

[1] مصری نسخے میں نہین من عصاہ ونکرم من اطاعہ ہے حالانکہ صحیح تہین من عصاہ وتکرم من اطاعہ ہے۔

[2] آل عمران: ۱۵۲

میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے مقبول بندے عرصہ حساب و کتاب میں جنت میں اپنے محلات کو دیکھیں گے، جب اللہ تعالیٰ حساب سے فارغ ہو جائے گا تو یہ لوگ جنت میں اپنے اپنے مقامات کی طرف اس طرح چلے جائیں گے جیسے دنیا میں ہر شخص اپنے گھر کی جانب بلا کسی کھٹکے کے چلا جاتا ہے۔ انہیں یہ مرتبہ طلب آخرت اور راہ خدا اختیار کرنے کے سبب عطا ہوا۔ مگر دوسرا گروہ تو آخرت سے بے نیاز ہو کر دنیوی زندگی میں کھو جانے، روزِ قیامت اور قرآن و حدیث کے مطابق آئندہ آنے والی زندگی کو بھلا دینے کے سبب قسم قسم کی سختیوں اور ذلت میں گھرا ہوا ہو گا لہٰذا اپنے آپ پر رحم کر! اور اوپر بیان کردہ دو جماعتوں میں سے بہتر جماعت کی رفاقت اختیار کر! اور بُری صحبت انسانوں کی ہو یا جنات کی سے اپنے آپ کو بچا! کتاب و سنت کو اپنا رہبر و رہنما بنا! اور ان میں تدبر اور غور و فکر کے بعد عمل کر، فضول یاوہ گوئی اور خواہشات نفس کی اتباع سے اجتناب کر۔ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے:

وما اٰتکم الرسول فخذوہ وما نہٰکم عنہ فانتھوا واتقوا اللہ [1]

(اور جو کچھ تمہیں رسول عطا فرمائیں وہ لو اور جس سے منع فرمائیں باز رہو اور اللہ سے ڈرو)

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے لائے ہیں، اس کی خلاف ورزی کر کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کا ارتکاب نہ کرو، اپنی من گھڑت عبادت اور عمل نہ نکالو! جیسے اللہ تعالیٰ نے راہِ حق سے بھٹکی ہوئی ایک قوم کی خبر دی ہے:

ورھبانیۃ ابتدعوھا ما کتبنٰھا علیھم [2]

(اور راہب بننا تو یہ بات انہوں نے دین میں اپنی طرف نکالی، ہم نے ان پر مقرر نہ کی تھی)

بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر قسم کی غلطیوں اور نقصان سے پاک بنایا چنانچہ آپ کی شان میں فرمایا:

---

[1] الحشر: ۷

[2] الحدید: ۲۷

وما ینطق عن الھوٰی ان ھو الا وحی یوحٰی [1]

(اور وہ کوئی بات اپنی خواہش سے نہیں کرتے مگر وحی جو انھیں کی جاتی ہے)

یعنی جو کچھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے پاس لائے ہیں وہ ان کی ذاتی خواہش سے نہیں، بلکہ میری جانب سے ہے! اس کی اتباع کرو! پھر فرمایا:

ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ [2]

(لوگو! اگر تم اللہ کو دوست رکھتے ہو تو میرے فرمانبردار ہو جاؤ اللہ تمھیں دوست رکھے گا)

اس سے یہ بات پوری طرح واضح ہو گئی محبتِ الٰہی کا سارا راز آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان و عمل کی پیروی میں ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے:

"کسبِ حلال میرا طریقہ اور توکل میری حالت ہے۔"

تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنّتِ مبارکہ اور آپ کی حالت کے درمیان ہے اگر تیرا ایمان کمزور ہے تو تیرے لیے کسب ہے جو اپنی جگہ سنّتِ نبوی ہے اور اگر تیرا ایمان قوی ہے تو تیرے لیے توکل ہے جو آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حالت ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وعلی اللہ فتوکلوا [3]

(اور اللہ ہی پر بھروسہ کرو)

دوسری جگہ ارشاد ہے:

ومن یتوکل علی اللہ فھو حسبہ [4]

(اور جو اللہ پر بھروسہ کرے تو وہ اسے کافی ہے)

---

[1] النجم: ۴ — [2] آل عمران: ۳۱

[3] المائدہ: ۲۳ — [4] الطلاق: ۳

ایک اور مقام پر ارشادِ باری ہے :

ان اللّٰہ یحب المتوکلین[1]

(بے شک توکل والے اللہ کو پیارے ہیں)

اللہ تعالیٰ نے تجھے توکل کا حکم دیا ہے اور اسے اختیار کرنے پر اصرار کیا گیا ہے جیسا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو حکم دیا گیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشاد ہے :

"جو شخص کوئی ایسا کام کرتا ہے جس کے متعلق ہمارا حکم نہیں ہے تو اس کا یہ عمل باطل اور لغو ہے۔"

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان وسائل رزق آپ کے اقوالِ مبارک اور افعال سب کے لیے عام ہے[2]، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی کے بغیر ہمارا کوئی دُوسرا نبی نہیں جس کی ہم پیروی کریں اور نہ قرآنِ حکیم کے علاوہ ہمارے لیے کوئی دوسری کتاب ہے جس پر ہم عمل کریں، لہٰذا کتاب و سنت کے حدود سے باہر نہ نکلو ورنہ قعرِ ہلاکت میں جا گرو گے اور نفس و شیطان گمراہ کر دیں گے، فرمانِ خداوندی ہے :

ولا تتبع الھوٰی فیضلک عن سبیل اللّٰہ۔[3]

(اور خواہش کے پیچھے نہ جانا کہ تجھے اللہ کی راہ سے بہکا دے گی)

پس قرآن و حدیث کی کامل اتباع سلامتی کا ذریعہ اور اس سے رُوگردانی باعثِ ہلاکت ہے۔ قرآن و حدیث کے عمل ہی کے ذریعے بندہ ولایت، ابدالیت اور غوثیت ایسے بلند مقامات کی طرف پرواز کرتا ہے۔

---

[1] آل عمران : ۱۵۹

[2] لاہوری نسخے کی عبارت یوں ہے : ھذا یعم الرزق والاعمال والاقوال، حالانکہ صحیح مصری نسخے کی عبارت ہے جو یوں ہے : ھذا یعم طلب الرزق والاعمال والاقوال۔

[3] ص : ۲۶

(۲۷) حسد اور اس کے نقصان

اے مومن! کیا وجہ ہے کہ میں تجھے اپنے ہمسائے کا حاسد دیکھتا ہوں؟ تو اس کے خورد و نوش، لباس و مکان، زن و مال اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کی ہوئی دوسری نعمتوں سے جلتا ہے، تجھے علم نہیں کہ حسد ایک ایسی خطرناک مرض ہے، جو ایمان کو کمزور، مولیٰ سے دُور اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا باعث بن جاتی ہے کیا تو نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان نہیں سُنا کہ "حاسد میری نعمتوں کے دشمن ہیں" اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"حسد نیکیوں کو اس طرح کھا جاتا ہے جیسے آگ لکڑی کو۔"

اے مسکین تو اس کی کس چیز پر حسد کرتا ہے؟ اس کی قسمت پر یا اپنی پر؟ اگر تو اس کی قسمت پر حسد کرتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ ہے جیسا کہ فرمانِ خداوندی سے ثابت ہے:

نحن قسمنا بينهم معيشتهم في الحيوة الدنيا[1]

(ہم نے ان میں ان کی زیست کا سامان دنیا کی زندگی میں بانٹا)

تو ایک شخص پر جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کی ہوئی نعمتوں پر قانع ہے حسد کے ذریعے ظلم کا ارتکاب کر رہا ہے خود ہی غور کر کہ تجھ سے زیادہ ظالم، بخیل، احمق اور کم عقل کون ہے؟ اور اگر تو اپنے نصیب پر حسد کر رہا ہے تو یہ تو اس سے بھی زیادہ جہالت اور نادانی ہے کیونکہ تیرا حصّہ غیر کو کبھی نہیں دیا جائے گا، اللہ تعالیٰ اس سے پاک اور منزہ ہے اس کا ارشاد ہے:

ما يبدل القول لدي وما انا بظلام للعبيد[2]

(میرے یہاں بات بدلتی نہیں اور نہ میں بندوں پر ظلم کروں)

اللہ تعالیٰ تیرا حصّہ چھین کر کبھی دوسرے کو نہیں دے گا کیونکہ یہ ظلم ہے اور وہ اس سے پاک ہے تیرا اس قسم کا خیال جہالت اور حسد اپنے بھائی پر ظلم ہے، اپنے بھائی پر ظلم کرنے سے زمین پر

---

[1] الزخرف: ۳۲ [2] ق: ۲۹

حسد کرنا زیادہ مناسب ہے جس میں عاد و ثمود، قیصر و کسریٰ اور دیگر پہلے بادشاہوں کے خزانے دفن ہیں، تیری مثال اس شخص کی ہے جس نے ایک بادشاہ کو حشمت و دبدبے، لشکر و دولت اور قسم قسم کی نعمتوں سے لطف اندوز ہوتے دیکھ کر تو حسد نہیں کیا لیکن ایسے جنگلی کتے پر جو بادشاہ کے کتوں میں سے ایک کی خدمت پر مامور تھا، اور اس خدمت کے بدلے اسے شاہی مطبخ کے بچے کھچے ٹکڑے نصیب ہو جاتے تھے حسد کرنے لگا، اس کا دشمن بن گیا، کم ظرفی و کمینگی کی وجہ سے ایسے کرنے لگا کسی دینی رعایت اور قناعت کے لیے نہیں، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اس کا یہ حسد محض اس کے مرنے کے بعد اس کا قائم مقام بننے اور جھوٹا موٹا کھانے کے لیے پیدا ہوا، اب تو خود سوچ لے کہ دنیا میں اس سے بڑھ کر احمق اور جاہل کون ہو سکتا ہے؟ اے درویش! تجھے پتہ ہے کہ اگر تیرے پڑوسی (جس پر تو حسد کر رہا ہے) نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ نعمتوں پر شکر نہیں کیا، ان انعامات میں سے اللہ تعالیٰ کے حقوق ادا نہیں کیے، اس کے احکام کی پابندی نہیں کی، اس کی منہیات سے باز نہ آیا، اور ان نعمتوں کو عبادت و طاعت الٰہی کا واسطہ نہ بنایا تو اسے کس قدر طویل عذاب سے دوچار ہونا پڑے گا، اس وقت اس کی خواہش ہوگی کہ کاش! دنیا میں اسے کوئی نعمت نہ ملتی بلکہ وہ کوئی نعمت دیکھتا بھی نہیں (تاکہ اس حساب سے بچ جاتا)، تو نے حدیث نبوی کے یہ الفاظ نہیں سنے کہ "قیامت کے دن کئی لوگ خواہش کریں گے کہ کاش! دنیا میں ان کا گوشت چھریوں سے کاٹا جاتا یعنی مصائب اور آزمائش میں پڑنے کی وجہ سے آج وہ ثواب کے مستحق ہوتے" ٹھیک اسی طرح تیرا ہمسایہ روزِ قیامت تیری حالت کی آرزو کرے گا تاکہ اس حالت میں ہونے سے وہ پچاس ہزار سال آفتاب کی گرمی میں کھڑا ہونے سے بچ جاتا، واضح رہے کہ یہ ساری سختی دنیاوی نعمتوں سے متمتع ہونے اور ان کی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کی وجہ سے نازل ہوگی، مگر تو ان بکھیڑوں سے آزاد، مصائب و آلام دنیوی محتاجی و مسکینی، اپنی قسمت پر رضامندی، تقدیر و امرِ الٰہی کے سامنے سرِ تسلیم خم، اپنے فقر و فاقہ اور دوسروں کی عزت پر صبر و شکر کی وجہ سے عرشِ الٰہی کے سایہ میں گوناگوں طعاموں اور نعمتوں سے مسرور اور شادکام ہوگا، اللہ آپ کو اور ہمیں ان لوگوں میں سے بنائے، جو مصائب و آزمائش پر صبر اور نعمتوں پر شکر کرتے ہیں اور اپنے جملہ امور مالکِ ارض و سما کے سپرد رکھتے ہیں۔

(۳۸) صدق و نصیحت

جو شخص اپنے رب کا کام خلوص اور سچائی سے کرتا ہے وہ اس کے ماسوٰی سے صبح و شام (ہر وقت) وحشت (اجنبیت) محسوس کرتا ہے۔ اے لوگو! جو چیز تمہیں حاصل نہیں اس کا دعویٰ نہ کرو، خدا کو ایک جانو! اس کے ساتھ شرک نہ کرو، قضا و قدر کے تیروں کا نشانہ بن جاؤ یہ تمہیں ہلاک کرنے کے لیے نہیں، زخمی کرنے کے لیے آتے ہیں، جو شخص راہِ خدا میں جان دیتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر خصوصی فضل فرماتا ہے۔

(۳۹) شقاق و وفاق و نفاق

امرِ خداوندی کے بغیر کسی چیز کا محض خواہشاتِ نفس سے لینا گمراہی اور مخالفتِ حق ہے خواہشاتِ نفس کے بغیر اس کا حصول اتباع اور موافقت حق ہے اور اسے ترک کر دینا ریا اور نفاق ہے۔

(۴۰) گروہِ اصفیا میں شامل ہونے کے آداب

جب تک تو اپنے وجود کا دشمن نہیں بن جاتا، اور اپنے تمام اعضاء و جوارح سے بے نیاز اپنے جسم کی حرکات و سکنات سُننے، دیکھنے، بولنے، پکڑنے اور عمل و عقل سے الگ، یہاں تک کہ جو کچھ رُوح سے پہلے تھا اور جو کچھ نفخ رُوح کے بعد حاصل ہوا سب کو چھوڑ دے کیونکہ یہ ساری چیزیں تیرے لیے رب سے حجاب بنی ہُوئی ہیں، جس وقت تو ان عوارضات سے آزاد ہو کر رُوح خالص بن جائے گا، تو اس وقت تو خود سترالاسرار اور غیب الغیب ہو جائے گا، ان تمام اشیائ سے الگ ہو کر ہر چیز کو دشمن، حجاب، اور ظلمت سمجھنے لگے گا! جیسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بُتوں کے متعلق فرمایا تھا:

فانہم عدوّلی الا رب العٰلمین[1]

---

[1] الشعراء: ۷۷

(بے شک وہ سب میرے دشمن ہیں مگر پروردگارِ عالم)

تو اپنے وجود کے ہر ہر جز کو بُت سمجھ! ان میں سے کسی کی فرمانبرداری کر اور نہ ہی اطاعت! اس کے بدلے میں تجھے علومِ لدنّی اور اسرار کا امین بنایا جائے گا، اور تجھے ایجاد و کرامات کی قوتوں پر قدرت عطا کی جائے گی، اور یہ وہ نعمت ہے جو جنّت میں مومنین کو عنایت کی جاتی ہے، اس وقت تیری حالت ایسی ہو گی گویا موت دنیوی کے بعد دوبارہ آخرت میں زندہ کیا گیا ہے، اور تیرا وجود قدرتِ الٰہی کا مظہر ہو جائے گا، چنانچہ تو ربّانی قوتوں کے ساتھ سُنے گا، انہی کے ساتھ بولے گا، انہی کے ذریعے دیکھے گا، انہی کے ساتھ پکڑے گا اور چلے گا، اور انہی قوتوں کے ساتھ سمجھے گا الغرض ذاتِ الٰہی کے ساتھ سکون و قرار پائے گا! اور غیر اللہ سے بالکل غافل ہو کر رہ جائیگا شریعت کی پابندی اور اوامر و نواہی پر عمل کے ذریعے تو غیر اللہ کو موجود بھی نہیں دیکھے گا، اگر آدابِ شریعت میں سے کوئی کوتاہی ہو جائے تو سمجھ لے کہ شیطان تجھے گمراہ کر رہا ہے اور تو آزمائش میں ڈال دیا گیا ہے، لہٰذا فوراً شریعت کی طرف واپس آجا، اس کو مضبوطی سے تھام لے اور اپنے آپ کو نزاشاتِ نفس سے بچا اس لیے کہ جس حقیقت کی تصدیق شریعت کی زبانی نہ ہو وہ کفر اور الحاد ہے۔

(۴۱) فنا اور اس کی کیفیات

فنا[۱] سے متعلق ہم تجھے ایک مثال دیتے ہیں، مثلاً ایک بادشاہ عوام میں سے کسی کو کسی علاقے کا حاکم مقرر کر دیتا ہے اور اسے تمام لوازمات خلعت، جھنڈا، نقارہ طبل اور لشکر عطا کرتا ہے، چنانچہ یہ شخص عرصۂ دراز تک اس منصب پر متمکن رہنے کی وجہ سے اپنے لیے اس منصب کی مستقل پائیداری اور ہمیشگی کا یقین کر لیتا ہے وہ اس پر فخر کرنے لگتا ہے، اپنی بے قدری، ذلت، محتاجی اور گمنامی کی پہلی حالت یکسر فراموش کر بیٹھتا ہے، اور تکبر و غرور سے بھر جاتا ہے

---

[۱] تمام ہندوستانی مطبوعہ نسخوں میں یہ عبارت یُوں ہے، نضرب لک فی الغنا (دولتمندی) مگر مقالے کا موضوع اس سے مطابقت نہیں رکھتا، چنانچہ مصری نسخہ ہمارے خیال کی تائید کرتا ہے اس میں نضرب لک فی الفناء ہے اور یہی صحیح ہے۔

اسی حالت میں اچانک بادشاہ کی طرف سے اس کے پاس معزولی کا پروانہ آجاتا ہے اور اس سے شاہی احکام کی خلاف ورزی، اور جرائم پر جواب طلبی کی جاتی ہے، بالآخر جرائم ثابت ہو جانے پر اسے لمبے عرصے کے لیے کال کوٹھڑی میں قید کر دیا جاتا ہے جہاں وہ انتہائی ذلت، خواری اور بےکسی کے دن گزارتا ہے چنانچہ اس کا تکبر اور خود پسندی زائل ہو جاتی ہے، نفسانیت ٹوٹ جاتی ہے اور خواہشات کی آگ بجھ جاتی ہے۔ اس کی یہ ساری کیفیت بادشاہ ملاحظہ کرتا رہتا ہے چنانچہ اسے رحم آتا ہے اور قید خانے سے نکال کر دوبارہ خلعت عطا کرتا ہے اور حسبِ سابق اسے پھر ایک علاقے کا حاکم بنا دیتا ہے اس وقت یہ حکومت اس کے لیے عظیم عنایت، پائیدار مبارک اور باعثِ برکت ثابت ہوتی ہے بعینہٖ یہی حال مومن کا ہے، جب اللہ تعالیٰ اسے اپنا مقرب اور مقبول بنا کر اس کی چشمِ قلب کے سامنے اپنی رحمت اور انعام و احسان کے دروازے کھول دیتا ہے تو مومن اپنے دل سے وہ چیزیں دیکھتا ہے جنہیں کسی آنکھ نے دیکھا ہے نہ کسی کان نے سنا ہے اور نہ ہی کسی دل پر ان کا وہم و گمان گزرا ہے، یعنی وہ آسمان و زمین کے خزانوں اور اسرار پر مطلع ہو جاتا ہے تقرب کی منزلوں میں لطیف و لذیذ کلام سے لطف اندوز ہوتا ہے اور محبوبیت و اجابتِ دعا، ایفائے عہد، اور عالمِ قدس سے اس کے قلب میں القا ہونے والے وہ کلماتِ حکمت جو اس کی زبان سے ظاہر ہوتے ہیں کی بدولت مقرب ہوتا ہے اور اس کے ساتھ خورد و نوش، لباس و نکاح، حلال اور مباح اشیاء، عباداتِ ظاہرہ اور حدودِ شرعیہ کی پابندی اور حفاظت ایسی ظاہری نعمتیں بھی اسے کلی طور پر عطا کی جاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے اس بندے کو ایک عرصے تک اس حالت پر قائم رکھتا ہے یہاں تک کہ اسے اطمینان ہو جاتا ہے اور دھوکا کھا کر اس حالت کی ہمیشگی کا خیال کر بیٹھتا ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ فوراً اسے اہل و عیال اور مال و متاع سمیت طرح طرح کی سختیوں اور آزمائشوں میں ڈال دیتا ہے، اس سے تمام انعامات اٹھا لیے جاتے ہیں اور وہ حیران، عاجز، شکستہ دل اور احباب سے کٹ کر رہ جاتا ہے اس وقت اس کی حالت یہ ہوتی ہے کہ اگر اپنے ظاہر پر نظر کرتا ہے تو رنجیدہ ہوتا ہے اور اگر باطن میں نگاہ دوڑاتا ہے تو اس سے بھی زیادہ غمگین ہوتا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ سے مصائب کے بادل چھٹنے کی دعا کرتا ہے تو اسے شرفِ قبولیت نہیں ملتا۔ اگر ذاتِ باری سے حسنِ سلوک جس کا وہ

امیدوار ہوتا ہے کی استدعا کرتا ہے تو وہ بھی بے اثر ثابت ہوتی ہے، اگر اس کے ساتھ پہلے سے کوئی وعدہ کیا گیا ہوتا ہے تو اس کے پورا ہونے کے بھی کوئی آثار نظر نہیں آتے یا اگر کوئی خواب دیکھتا ہے تو اس کی تعبیر اور سچائی ظہور میں نہیں آتی، اگر مخلوق کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو کوئی راستہ نہیں پاتا، اگر اس حالت میں اس پر کوئی رخصت ظاہر ہوتی ہے اور اس پر عمل کرتا ہے تو جلدی عذاب نازل ہو جاتا ہے، لوگوں کے ہاتھ اس کے جسم پر اور زبان اس کی ذات پر کھلتی ہے، اگر اس مصیبت سے جان رہائی اور مقبولیت سے پہلے کی حالت میں واپسی کی التجا کرتا ہے تو قبول نہیں ہوتی، پھر اگر ان مصائب میں ثابت قدمی اور خوش رہنے کی درخواست کرتا ہے تو اس کا بھی کوئی نتیجہ نہیں نکلتا، آخر کار نفس پگھلنے لگتا ہے خواہش ختم اور ارادہ و آرزو مٹنے لگتے ہیں۔ ہر چیز کی ہستی نابود ہونے لگتی ہے بندہ ہمیشہ اسی حالت میں رہتا ہے بلکہ سختی اور مصائب و آلام میں اضافہ ہو جاتا ہے یہاں تک کہ بندہ خصائل انسانی اور صفاتِ بشری سے بلند ہو کر روح خالص رہ جاتا ہے۔ اس وقت اسے اپنے باطن سے ندا آتی ہے:

ارکض برجلک ھذا مغتسل بارد و شراب[1]

(ہم نے فرمایا زمین پر پاؤں مار یہ ہے ٹھنڈا چشمہ نہانے اور پینے کو)

جیسا کہ حضرت ایوب علیہ السلام سے کہا گیا۔

پھر اللہ تعالیٰ اس کے دل میں اپنی رحمت و مہربانی نرمی اور تازہ احسانات کے دریا جاری کرتا ہے اور اسے اپنی راحت، خوشبوئے معرفت اور دقائق حکمت کے ساتھ زندہ کرتا ہے اس کے لیے اپنی نعمت اور ناز و محبت کے دروازے کھول دیتا ہے، لوگوں کی بخشش و عطا اور خدمت کے ہاتھوں کو اس کی طرف پھیر دیتا ہے، ان کی زبانوں کو اس کی تعریف و توصیف اور ان کے قدموں کو اس کے پاس آنے پر مامور کر دیتا ہے، لوگوں کی گردنیں اس کے سامنے جھکا دیتا ہے بادشاہوں اور امراء کو اس کے تابع کر دیتا ہے، اپنی ظاہری و باطنی نعمتوں سے اس کا دامن بھر دیتا ہے۔ ظاہری پرورش مخلوق کے ذریعے پوری کراتا ہے اور باطنی تربیت اپنے

---

[1] ص : ۴۲

لطف وکرم سے خود فرماتا ہے، اور پھر زندگی بھر اُسے اسی حالت پر باقی رکھتا ہے اور بالآخر ایسے مقام پر فائز کرتا ہے جسے کسی آنکھ نے دیکھا اور نہ اس کے بارے میں کسی کان نے کچھ سُنا ہے اور نہ ہی کسی کے دل پر اُس کا وہم وگمان گزرا ہے جیسا کہ فرمانِ خداوندی ہے:

فلا تعلم نفس ما اخفی لهم من قرة اعین جزاءً بما کانوا یعملون[1]

(تو کسی جی کو معلوم نہیں جو آنکھ کی ٹھنڈک ان کے لیے چھپا رکھی ہے صلہ ان کے کاموں کا)

(۴۲) حالاتِ نفس

نفس کی دو ہی حالتیں ہیں، حالتِ عافیت اور حالتِ آزمائش۔ جب نفس آزمائش میں مبتلا ہوتا ہے تو گھبراہٹ، شکوہ وشکایت، اعتراض اور حق تعالیٰ پر تہمت لگاتا ہے اس وقت اسے صبر رہتا ہے اور نہ تقدیرِ الٰہی پر رضامندی وموافقت، بلکہ بے ادبی اور شرک و کفر میں مبتلا ہو جاتا ہے، اور جب نفس عافیت کی حالت میں ہوتا ہے تو لالچ اور نافرمانی، خواہشات اور لذات میں پڑ جاتا ہے جس وقت ایک خواہش حاصل کر لیتا ہے تو دوسری طلب کرتا ہے حاصل شدہ نعمت اسے حقیر دکھائی دیتی ہے اور اسے اس میں عیب اور نقصان نظر آتے ہیں وہ اس سے ایسی اعلیٰ اور روشن تر نعمت کی تمنا کرتا ہے جو سرے سے اس کا مقدر ہی نہیں اس طرح وہ اپنے حصے سے بھی منہ پھیر لیتا ہے۔ پھر نفس انسان کو عظیم مصیبت میں ڈال دیتا ہے مقسوم اور حاضر چیز پر رضامند نہیں ہوتا، چنانچہ سختیوں میں مبتلا ہو جاتا ہے اور دنیا وآخرت میں طویل مشقت اور مصائب میں گھر جاتا ہے جیسا کہ کہا گیا ہے کہ جو چیز قسمت میں نہیں اس کا طلب کرنا سخت تر عذاب ہے، جب نفس کسی بلا میں مبتلا ہوتا ہے تو اس کے دور ہونے کے سوا اسے کوئی خواہش نہیں ہوتی اس وقت وہ ہر نعمت، اور لذت کو بھول جاتا ہے اور ان میں سے کسی شئے کو طلب نہیں کرتا، جب اسے اس مصیبت سے نجات مل جاتی ہے تو

---

[1] السجدہ: ۱۷

نفس پھر اپنی سرکشی، لالچ اور نافرمانی میں غرق اور رب تعالیٰ کی اطاعت سے منہ پھیرنے لگ جاتا ہے، اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور معصیت میں پڑ جاتا ہے اور اپنی سابقہ مصیبت اور سختی و آزمائش بالکل فراموش کر دیتا ہے، چنانچہ نفس کو ان گناہوں کی سزا دینے اور آئندہ اسے ان سے باز رکھنے کے لیے گزشتہ آزمائشوں سے بھی زیادہ سخت آزمائش میں ڈالا جاتا ہے کیونکہ عافیت و نعمت سے نفس کی اصلاح نہیں ہو سکی، لہٰذا معلوم ہوا کہ نفس کی اصلاح سختی و آزمائش ہی ہے اگر عافیت کی صورت میں نفس عبادت و شکر اختیار کرتا، اپنی اور قسمت پر صبر کرتا تو یقیناً دنیا و آخرت میں اس کے لیے بہتری ہوتی، اور نعمت و عافیت رضائے الٰہی، بہتر زندگی اور توفیق و عنایت ربانی میں، فراوانی حاصل کرتا، پس جو شخص دنیا و آخرت کی سلامتی چاہے اس کے لیے صبر اختیار کرنا، قسمت پر راضی رہنا، مخلوق سے بے نیاز ہو کر اپنی ضروریات کو خدا کے سپرد کر دینا، اس کی اطاعت اختیار کرنا، اس کی طرف سے مہربانی کی امید رکھنا، اور مخلوق سے مکمل منقطع ہو کر خالق کی طرف لوٹ آنا ضروری ہے کیونکہ خالق اپنی مخلوق سے بہتر ہے اس سے نہ پانا ہی پانا ہے سزا اس کی رحمت، مصیبت اس کا علاج وعدہ اس کا نقد اور ادھار اس کا حال ہے، قول اس کا فعل ہے کیا یہ قول و امر اس کا نہیں اذا اراد شیئاً ان یقول لہٗ کن فیکون[1]۔ اللہ تعالیٰ کے سب کام نیک ہیں اور سب میں مصلحت و حکمت ہے اللہ تعالیٰ نے مصلحت و حکمت کے علوم اپنے بندوں سے مخفی رکھے ہیں، ان علوم میں وہ منفرد ہے پس رضا تسلیم اور بندگی میں مشغول رہنا اور امر و نہی بجا لانا تقدیر کے سامنے گردن جھکا دینا امور قدرت میں دخیل نہ ہونا، ایسا کیوں ہوا، کیسے ہوا، کب ہوا، ایسے اعتراضات سے خاموش رہنا اپنے تمام حرکات و سکنات میں تہمتِ حق سے چپ رہنا بندے کے لیے مناسب اور لائق ہے اور ان تمام باتوں کی سند حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی وہ حدیث ہے جسے عطاء نے اُن سے روایت کیا ہے، فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے سوار تھا، اچانک آپ نے مجھے فرمایا: اے لڑکے! حقوق اللہ کی حفاظت کر! اللہ تیری حفاظت کرے گا! تو اللہ پر اپنی نگاہ رکھ اسے اپنے سامنے

---

[1] یٰس: ۸۲

پائے گا! جب سوال کرے خدا سے سوال کر! اور مدد مانگے تو خدا سے مدد مانگ! جو کچھ ہونیوالا ہے اس کو لکھ کر قلم خشک ہوگیا ہے، اگر ساری مخلوق جمع ہو کر کوشش کرے کہ تجھے وہ چیز پہنچا دیں جو اللہ نے تیرے مقدر میں نہیں رکھی! تو وہ ہرگز ایسا نہ کر سکیں گے اور اسی طرح اگر سارا جہان تجھے نقصان پہنچانے کی کوشش کرے مگر اللہ تعالیٰ کی تقدیر میں تیرے لیے وہ نقصان نہیں ہے تو تیرا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکے گا! پھر اگر تو ایمان کی سچائی کے ساتھ نیک عمل کر سکتا ہے تو کر! اور اگر عمل نہیں کر سکتا تو پھر جس چیز کو تو بُرا سمجھتا ہے اس پر صبر کرنے میں ہی بہتری ہے اور اچھی طرح جان لے کہ صبر کا پھل میٹھا اور دُکھ کے بعد ہمیشہ سُکھ ہوتا ہے۔" ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس حدیث کو دل کا آئینہ اور ظاہر و باطن کا لباس بنائے۔ اپنی ہر حرکت و سکون میں اس حدیث پر عمل کرے تاکہ تمام دنیاوی اور اخروی آفات سے صحیح و سالم رہے اور دونوں جہانوں میں رحمتِ الٰہی کا مستحق قرار پائے۔

(۴۳) غیر اللہ سے سوال کی ممانعت

جو شخص مخلوق سے سوال کرتا ہے درحقیقت اسے نہ تو مکمل طور پر معرفتِ الٰہی نصیب ہوئی ہے اور نہ ہی وہ ایمان و یقین کے کسی بلند مرتبے پر فائز ہے وہ معرفت اور ایمان و یقین کی کمزوری اور کم صبری کی بنا پر سوال کرتا ہے۔ سوال سے وہی شخص بچتا ہے جسے عرفان ذات حاصل ہے جس کے ایمان و یقین میں قوت ہے اور جس کی معرفت میں ہر لمحہ برابر اضافہ ہو رہا ہے، چنانچہ اس نورِ معرفت کی بنا پر غیر اللہ سے سوال میں اسے حیا آتی ہے۔

(۴۴) عُرفا کی بعض دعاؤں کی عدمِ قبولیت کے اسباب

عارف کی ہر دُعا جو وہ اپنے رب سے مانگتا ہے قبول نہیں کی جاتی، اور اسی طرح نہ ہی اس کا ہر وعدہ پُورا کیا جاتا ہے[1] کیونکہ اس طرح اس پر امید کا غلبہ ہو جائے گا، جو اسے ہلاک

---

[1] مصری نسخے میں عبارت یوں ہے: ویوفی لہ بکل وعد یہ سیاقِ عبارت کے خلاف اور غلط ہے صحیح ولم یوف لہ ہے۔

کڑوا لے گا! اس کی وجہ یہ ہے کہ ہر حالت اور مقام میں خوف اور امید قائم ہیں، خوف اور امید کی مثال پرندے کے بازوؤں کی طرح ہے جن کے بغیر وہ اُڑ نہیں سکتا ٹھیک اسی طرح کوئی بھی حالت اور مقام اپنے مناسب خوف و امید سے خالی نہیں، پس عارف مقرب بارگاہ ہے اس کا مقام اور حال یہ ہے کہ ذاتِ الٰہی کے سوا کسی شے کا ارادہ کرے اور نہ اس کی طرف مائل ہو، اور نہ ہی غیر اللہ سے اطمینان و سکون کا طلب گار ہو! لہٰذا عارف کا اپنی دُعا کی مقبولیت کی تمنا اور حق تعالیٰ سے ایفائے عہد کی خواہش بذاتِ خود راہِ طریق کے خلاف ہے، خلاصہ یہ کہ عارف کی دُعا کا بعض دفعہ قبول نہ ہونا دو وجوہ کی بنا پر ہے پہلی یہ کہ اس پر امید اور سنّت الٰہی کو وقتی طور پر سامنے نہ رکھنے کی وجہ سے خود بینی کا غلبہ نہ ہو جائے اور اس طرح کہیں اس کے ہاتھ سے ادب کا دامن نہ چھوٹ جائے اور دوسری وجہ شرک باللہ ہے انبیاء علیہم السلام کے سوا دنیا میں ظاہری طور پر کوئی معصوم نہیں، چنانچہ عارف کی ہر دُعا اس لیے شرفِ قبولیت نہیں پاتی کہ وہ اس سے بڑھ کر بطریق عادت و طبیعت سوال نہ کرنے لگے، چونکہ یہ دُعا امتثالِ حکم کے طور پر نہ ہوگی لہٰذا اس میں شرک کا پہلو نکل آئے گا، اور خیال رہے کہ ہر حالت اور ہر مقام بلکہ قدم قدم پر شرک کا ارتکاب ہو سکتا ہے، جب امرِ الٰہی کے تحت سوال ہوگا تو قُرب بڑھے گا جیسے نماز، روزہ اور ان کے ماسوٰی فرائض و نوافل اس لیے کہ ان میں حکم کی بجا آوری ہوتی ہے۔

(۴۵) نعمت و آزمائش

واضح رہے کہ دنیا میں لوگ دو قسم پر ہیں، پہلے وہ جو نعمتِ خداوندی سے نوازے گئے ہیں اور دوسرے وُہ جو آزمائش و امتحان میں مبتلا ہیں، نعمتِ الٰہی حاصل کرنے والے بھی گناہ اور تیرگی سے نہیں بچ پاتے، وُہ رحمت اور الطافِ خداوندی کی وجہ سے آسائش میں پڑ جاتے ہیں کہ اچانک تقدیرِ خداوندی ان پر قسم قسم کی بلائیں، بیماریاں اور اپنے علاوہ اہل و عیال پر ایسی مصیبتیں نازل کرتی ہے کہ اُن کی وُہ ساری نعمتیں مکدّر ہو جاتی ہیں اور انھیں ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے یہ نعمتیں انھیں کبھی دی ہی نہیں گئی تھیں۔ اس وقت وہ تمام نعمتوں کو بھول جاتے ہیں، اور اگر جاہ و مال خدام و حشم اور دشمنوں سے امن و بے خوفی کی حالت میں ہوں تو انہیں آزمائش

اور امتحان کا احساس تک نہیں رہتا، جس طرح مصائب کے وقت انھیں انعاماتِ خداوندی کا خیال نہ تھا، در اصل یہ ساری باتیں اپنے مولیٰ کا حقیقی عرفان نصیب نہ ہونے کی وجہ سے ہیں اگر بندہ اس حقیقت کو سمجھ لیتا کہ کائنات کی ہر چیز مشیتِ ایزدی کے ماتحت اور ہر تغیر و تبدل تلخی و شیرینی اسی کی طرف سے ہوتی ہے۔ اسی طرح تونگری و مفلسی، عزت و ذلت، پستی و بلندی، موت و حیات اور تقدیم و تاخیر اسی کے قبضۂ قدرت میں ہیں تو وہ کبھی ان (ظاہری) نعمتوں پر مطمئن ہو کر نہ رہ جاتا اور نہ ہی ان کے ذریعے اس کے دل میں کسی قسم کا غرور پیدا ہوتا اور اس حقیقت سے آگہی کے بعد مصائب و آلام میں تبدیلی سے بھی وہ کبھی مایوس نہ ہوتا۔

جس طرح یہ صورت حال عرفانِ الٰہی میں نقص کے سبب پیدا ہوئی بعینہٖ اس کا دوسرا سبب خود حقیقتِ دنیا سے عدمِ واقفیت بھی ہے، اس لیے کہ دنیا مصائب کا گھر، زندگی کو تاریک کرنے والی جہالت اور تکالیف و کدورتوں کا ظلمت کدہ ہے، دنیا میں اصل مصائب و آلام ہیں، اس میں نعمتوں کا نزول، اس کی حقیقت اور اصلیت کے خلاف ہے۔ پس دنیا ایلوے کے درخت کی طرح ہے کہ پہلے اس کا پھل کڑوا ہے مگر اس کا انجام میٹھا ہے کوئی بھی شخص اس کی تلخی پیئے بغیر اس کی مٹھاس حاصل نہیں کر سکتا، یعنی اس کی کڑواہٹ پر صبر کے بغیر حلاوت کا حصول ناممکن ہے، لہٰذا جو شخص مصائبِ دنیا پر صبر کرتا ہے اس پر دنیاوی نعمتیں زیادہ ہوتی ہیں ہمیشہ مزدور کو اس وقت تک مزدوری نہیں ملتی جب تک محنت کی وجہ سے اس کی پیشانی عرق آلود، جسم تھکا ہوا اور دل تکلیف کا احساس نہ کر رہا ہو، اس کی انانیت ختم اور ہم جنس مخلوق کی خدمت سے انکار و ابا کا غرور خاک میں نہ مل گیا ہو، جب وہ یہ ساری تلخیاں برداشت کر لیتا ہے تو اس کے نتیجے میں اسے عمدہ کھانے، میوہ جات، لباس، راحت و آرام، اگرچہ یہ ساری چیزیں معمولی مقدار میں ہی کیوں نہ ہوں، نصیب ہوتی ہیں، دنیا کی ابتداء شہد سے بھرے ہوئے برتن کے اس بالائی حصے کی سی ہے جو تلخی سے ملا ہوا ہے اسے استعمال کرنیوالے کے لیے یہ ممکن نہیں کہ وہ تلخی کو استعمال کیے بغیر شہد تک پہنچ پائے، جب انسان احکامِ الٰہی کا پابند، منہیات سے کنارہ کش اور تقدیرِ الٰہی کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیتا ہے ان کی تلخیوں پر صبر کرتا ہے ان کا بوجھ برداشت کرتا ہے خواہشاتِ نفس کی مخالفت کرتا ہے، اپنی مراد کو

چھوڑ دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے بدلے میں آخر عمر تک اُسے بہتر زندگی عطا کرتا ہے۔ اسے عیش و آرام اور اعزاز سے نوازتا ہے خود اس کی نگہبانی کرتا ہے اور دنیا و آخرت میں بلا محنت و مشقت شیر خوار بچے کی طرح اس کی پرورش کرتا ہے۔ اُسے یہ انعامات اسی طرح ملتے ہیں جیسے شہد حاصل کرنے والا بالائی ترشی کے بعد شہد سے لطف اندوز ہوتا ہے، نعمتیں حاصل کرنے والے انسان کے لیے لازم ہے کہ وہ تقدیر خداوندی کے پھیر سے ایسا غافل نہ ہو کر ان نعمتوں پر فریفتہ ہو کر رہ جائے اور ان کی ہمیشگی کا خیال کر لے، اور نعمتوں کے شکر سے بھی غفلت برتنے لگے، اور شکر سے غفلت کی بنا پر نعمت کی قید کو نرم کر دے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ:

"نعمت کی مثال وحشی جانور کی سی ہے اُسے شکر کے ساتھ مقید کرو۔"

مال کی نعمت کا شکریہ ہے کہ منعم حقیقی کی نعمتوں کا اقرار کرے اور تمام حالات میں نعمتِ خداوندی کو یاد رکھے، اللہ تعالیٰ کے فضل و احسان پر نگاہ رکھے اس پر اپنا حق نہ سمجھے! اپنے حدود سے تجاوز نہ کرے اور مال و نعمت کے بارے میں اس کے احکام کی پابندی کرے، مثلاً زکوٰۃ، کفارہ، ہدیہ، صدقہ اور مظلوم کی فریاد رسی، اور حالات کے تغیر و تبدل اور نیکیوں کے گناہوں سے بدلنے کے وقت ضرورت مندوں کی مدد کرے، نیکیوں کے گناہوں سے بدلنے سے ہماری مراد نعمت و اُمید کا سختی و مصیبت کے ساتھ تبدیل ہونا ہے، اور اعضاء و جوارح کی سلامتی ایسی عظیم نعمت کا شکریہ ہے کہ ان سے طاعتِ الٰہی میں مدد حاصل کرے ان کو حرام اشیاء، برائیوں اور دیگر خرابیوں سے بچائے، نعمت کا گزر جانے یا زائل ہو جانے سے قید کرنا اسی سے عبارت ہے اور نعمت کے درخت کو سینچنا، اس کی ڈالیوں اور پتوں کی پرورش کرنا اس کے پھل اور ذائقے کو شیریں اور بہتر بنانا، اور آخر تک درخت کا سلامت رکھنا اس کے چبانے میں لذت اور کھانے میں مزیدار بنانا پھر اس میں سلامتی کا ظہور اور جسم میں نشو و نما کی زیادتی اور اعضاء میں اس کی برکت اور ان سے طرح طرح کی عبارات اور ایسے امور کا صدور جو قربِ خداوندی اور ذکرِ الٰہی کا سبب ہوں۔ اس کے بعد بندے کا رحمتِ الٰہی کے سائے میں آنا اور جنت میں انبیاء، صدیقین اور شہداء کی رفاقت ہے اور یہ بہترین رفاقت ہے، اگر اس نے شکر ادا نہ کیا

اور دنیا کی ظاہری زینت پر فریفتہ ہوگیا، اس کی لذتوں میں کھو گیا، اس کی سراب کی سی تازگی اور
بجلی کی طرح چمکنے والی ظاہری خوب صورتی پر مطمئن ہوگیا تو اس کی مثال اس شخص کی طرح ہے جو
موسم گرما میں صبح کی ٹھنڈی ہوا یا سانپ اور بچھوؤں کے منہ میں موجود زہر کا خیال کیے بغیر محض ان کے
ظاہری خوب صورت چہرے اور نقش ونگار کو ہی حقیقت سمجھ بیٹھا ہوا پنے گرفتار ہونے کے تمام
منصوبوں اور چالوں سے بے خبر ہی رہا، مناسب ہے کہ اسے بلندی سے پستی دنیا میں ذلت و
خواری کے ساتھ آنے والی ہلاکت اور محتاجی اور آخرت میں دوزخ کی آگ کے خطرات سے آگاہ
کردیا جائے۔ مصائب میں مبتلا ہونے کی متعدد صورتیں ہیں، کبھی تو انسان خود کردہ جرائم اور
نافرمانیوں کی سزا میں مبتلا ہوجاتا ہے، کبھی گناہوں کی آلودگیوں کو مٹانے اور صاف کرنے کیلئے
آزمائش میں ڈالا جاتا ہے اور کبھی اسے یہ تکالیف بلند مقامات کے حصول کے لیے دی جاتی ہیں
تاکہ وہ آزمائش کی بھٹی سے نکل کر اہل معرفت و مقام میں سے ہوجاتے، اور اہل معرفت و
مقامات وہی گروہ ہے جس پر رب کائنات کی خصوصی عنایت کا نزول ہوچکا ہے اور جن میں
اللہ تعالیٰ نے رحمت و نوازش کی سواریوں کے ذریعے مصائب و آلام کی وادیوں کی سیر
کرائی ہے اور ان کی حرکت و سکون میں نگاہِ لطف اور نظرِ رحمت کی تازہ بہار سے آسائش
بخشی ہے کیونکہ انہیں مصائب میں مبتلا کرنا ہلاکت یا دوزخ کے ایندھن کے طور پر نہیں بلکہ یہ
آزمائش و امتحان تو دراصل ان کے تقرب اور قبولیت کا ذریعہ تھا۔ ان مصائب سے ان کے
ایمان کی حقیقت کا اظہار کیا، اور اس حقیقت کو شرک خفی، خواہشاتِ نفس، اور نفاق سے
پاک اور صاف کردیا، اور اس آزمائش و مصیبت سے کامیابی پر ان پر طرح طرح کے علوم و
اسرار اور انوار منکشف کردیے، چنانچہ جب یہ لوگ ظاہری و باطنی گناہوں اور شرک سے پاک
ہوگئے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں مقربین اور خاصانِ بارگاہ اور مجلسِ رحمت کے ہم نشینوں میں
دنیا میں قلبی اور روحانی طور پر اور آخرت میں جسمانی اعتبار سے بنا دیا، لہٰذا مصائب و آلام
اُن کے دلوں کو شرک کی میل، مخلوق و اسباب، اور ارادہ و آرزو کے علائق سے پاک کرنے والے
ہیں، اور نفس کے پگھلنے، اور جنت الفردوس میں طاعت کے عوض درجات اور منازلِ عالیہ
چاہنے کی خواہشات سے گرا دینے کا سبب ہیں، مصیبت کے وقت صبر نہ کرنا اور گھبرانا اور

مخلوق سے شکوہ و شکایت کرنا، عذاب اور کفارۂ گناہ کے مقابلہ میں مبتلائے بلا ہونے کی علامت ہے آزمائش میں پڑوسیوں اور دوستوں کے سامنے بے صبری کے ساتھ شکایت نہ کرنا اور احکام و طاعت الٰہی میں کوتاہی یا پریشانی کا اظہار نہ کرنا، صبر جمیل اختیار کرنا گناہوں سے پاک و صاف کرنے کے لیے مبتلائے بلا ہونے کی علامت ہے ارادۂ الٰہی کے ساتھ رضا مندی و موافقت اور ذکرِ خداوندی اور تقدیرِ ربی میں نفس کا سکون و اطمینان حاصل کرنا کہ وہ زمین و آسمان کا مالک ہے اور مصائب کے وقوع ہونے اور ان کے گرنے تک مصائب میں نیست ہوجانا بلندیٔ مراتب کے لیے آزمائش میں مبتلا ہونے کی علامت ہے۔

(۴۶) ذکرِ خدا کی فضیلت

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث قدسی کہ من شغلہ ذکری عن مسئلتی اعطیتہ افضل ما اعطی السائلین (جو شخص میرے ذکر میں محو ہونے کی وجہ سے مجھ سے کسی قسم کا سوال بھی نہیں کر پاتا میں اسے سوال کرنے والوں کی بہ نسبت کہیں زیادہ عطا کرتا ہوں) کی تشریح میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جب کسی مومن کو مقبول اور منتخب بارگاہ بنانے کا فیصلہ کرتا ہے تو اُسے کئی پُرخار وادیوں میں سے گزارتا ہے طرح طرح کی مصیبتوں اور تکالیف سے اس کی آزمائش کرتا ہے۔ دولت مندی سے اُسے محتاجی کی طرف لے آتا ہے وسائل رزق منقطع ہونے کی صورت میں مخلوق کے سامنے دستِ سوال دراز کرنے پر اسے مجبور کر دیتا ہے پھر اسے مخلوق سے بچا لیتا ہے اور اس سے قرض لینے کا سودا اس کے سر میں ڈال دیتا ہے، پھر محنت اور کسب کی طرف اس کی رہنمائی کر کے اس کے لیے اس میں آسانی پیدا کر دیتا ہے چنانچہ وہ کسب حلال سے روزی کھانے لگ جاتا ہے پھر اچانک کسب میں تنگی پیدا کر دیتا ہے اور اسے مخلوق سے سوال کرنے کا اشارہ کرتا ہے اور اُسے مخفی امور کا حکم دیتا ہے وہ ان امور کو بخوبی جانتا اور پہچانتا ہے۔ ان امور کی تابعداری کو اس کی عبادت اور ان کے خلاف کو گناہ قرار دیتا ہے تاکہ اس کے باعث اس کی نفسانیت دُور ہوجائے اور نفس شکستہ ہوجائے اور یہ حالتِ ریاضت ہے اس وقت اس کا سوال مجبوری کی بنا پر ہوتا ہے خداوند تعالیٰ سے

شرک (اس سے نا امید ہو کر دُوسروں سے مانگنا) کے طور پر نہیں ہوتا، پھر اس کو مخلوق سے بچاتا ہے اور اس سے قرض لینے کا قطعی حکم کرتا ہے جس کا چھوڑنا پہلے سوال کی طرح درست نہیں، پھر اس کو اس سے ہٹا کر مخلوق سے جُدا کر دیتا ہے اور اس کی روزی کا سارا سلسلہ صرف اپنی ذات سے وابستہ کر دیتا ہے، چنانچہ اپنی ضرورت کی ہر چیز بندہ اپنے مولیٰ سے طلب کرتا ہے اور اسے عطا کی جاتی ہے اگر وہ سوال کرنے سے مُنہ پھیرتا ہے تو اس کی عطا رُک جاتی ہے، پھر بندہ اس سے ترقی کر کے زبان سے سوال کرنے کی بجائے دل سے سوال کرتا ہے چنانچہ اپنی تمام حاجتیں دل ہی کے ذریعے پیش کر کے کامیابی حاصل کرتا ہے اس وقت بندے کی کیفیت یہ ہو جاتی ہے کہ اگر وہ مخلوق سے سوال کرے یا اپنی کسی ضرورت کے بارے میں لب کشائی کرے تو اسے کچھ نہیں ملتا۔ اس کے بعد اسے سوال، ظاہر و باطن بلکہ خود اپنی ذات سے بھی بے نیاز کر دیا جاتا ہے[1] چنانچہ اسے طلب کیے بغیر اور ان مصلحتوں میں دخل دیئے بغیر جبکہ اس کے وہم و گمان میں بھی کوئی چیز نہ ہو وہ وہ نعمتیں عطا کی جاتی ہیں جن سے کھانے پینے، پہننے اور دیگر بشری عوارضات کی ساری کوتاہیاں پُوری ہو جاتی ہیں اللہ تعالیٰ اس کا نگہبان و نگران بن جاتا ہے۔ اس کا ارشاد ہے:

ان ولیی اللہ الذی نزل الکتاب وھو یتولی الصالحین[2]

(بے شک میرا ولی اللہ ہے جس نے کتاب اُتاری اور وُہ نیکوں کو دوست رکھتا ہے)

اس وقت اللہ تعالیٰ کا وُہ فرمان جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی سنایا گیا ہے کہ "جس کو میرے ذکر کی محویت نے مجھ سے سوال کرنے کی مہلت نہ دی اسے سوال کرنے والوں سے کہیں زیادہ عطا کرتا ہوں۔" المختصر فنائیت کا وُہ بلند ترین رتبہ ہے جو اولیائے کرام اور ابدالوں کا آخری مقام ہے، اس مقام پر بندے میں اشیاء کے پیدا کرنے کی صفت پیدا ہو جاتی ہے اور

---

[1] لاہوری نسخے میں ثم یغیبہ ہے جبکہ مصری نسخے میں یغنیہ ہے، اور یہی صحیح ہے۔

[2] الاعراف : ۱۹۶

اللہ کے حکم سے اس کی ہر ضرورت پُوری ہوتی ہے، بعض آسمانی کتابوں میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے،
اسے بنی آدم! میں اللہ ہُوں میرے سوا کوئی معبود نہیں، میں جس چیز سے کہہ دیتا ہوں ہو جا!
بس وُہ ہو جاتی ہے میری اطاعت کر! تو بھی جس چیز کو کہے گا ہو جا! وہ ہو جائے گی!"

(۴۷) تقرب اِلی اللہ

مجھ سے خواب میں ایک معمر بزرگ نے پُوچھا کہ کس چیز کے ذریعے بندہ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرتا ہے، میں نے اُسے جواب دیا کہ یہ ایک راستہ ہے جس کی ابتداء ورع اور انتہا رضاء تسلیم اور توکل ہے۔

(۴۸) مقاماتِ فرائض و سُنن

مومن کے لیے مناسب ہے کہ سب سے پہلے فرائض ادا کرے ان سے فراغت کے بعد سنّت کی طرف توجہ دے پھر نوافل اور فضائل میں مشغول ہو، فرائض کی تکمیل کے بغیر سنتوں میں مشغول ہونا جہالت اور بے وقوفی ہے۔ اگر فرائض سے پہلے کوئی شخص سنن و نوافل میں مصروف ہو جائے گا تو وہ ہرگز قبول نہ کی جائیں گی بلکہ اس کے منہ پر مار دی جائیں گی، اس کی مثال اس شخص کی سی ہے کہ جسے بادشاہ اپنی خدمت کے لیے بلائے وہ بادشاہ کی خدمت میں تو حاضر نہو البتہ بادشاہ کے ایک غلام اور ماتحت امیر کی خدمت میں کمر بستہ کھڑا رہے، حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نوافل پڑھنے والا جس کے ذمے فرائض باقی ہیں کی مثال اس حاملہ عورت کی ہے جس کی مدّتِ حمل پوری ہو چکی ہو اور وضع حمل کے قریب وُہ اپنا حمل گرا دے وہ صاحبۂ حمل رہی اور نہ صاحبۂ ولادت، اسی طرح نفل ادا کرنیوالے کے نوافل قبول نہیں کیے جاتے جب تک وہ فرائض ادا نہ کرے، نمازی کی مثال "تاجر کی سی ہے کہ جب تک وہ اصل سرمایہ (راس المال) نہیں لیتا اسے نفع حاصل نہیں ہوتا، اسی طرح نفل

پڑھنے والے کی نماز قبول نہیں ہوتی جب تک وہ فرائض کی تکمیل نہ کرلے اسی طرح جو شخص سنت کو ترک کرکے ایسے نوافل میں مشغول ہو جو فرائض کے ساتھ ضروری ہیں اور نہ ہی شارع سے ان کیلئے کوئی تاکید آئی ہے، قبول نہ ہوں گے۔

واضح رہے کہ حرام اشیأ سے پرہیز، اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک سے اجتناب، تقدیرِ خداوندی پر زبانِ اعتراض سے احتراز، اجابت خلق اور ان سے روگردانی، احکامِ الٰہی پر سرِ تسلیم خم اہم ترین فرائض میں سے ہیں، آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

"اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں کسی مخلوق کی اطاعت جائز نہیں۔"

(۴۹) نیند اور بیداری

جس شخص نے بیداری پر جو ہوشیاری اور آگاہی کا سبب ہے خواب کو ترجیح دی اس نے انتہائی ناقص اور کمتر چیز کو پسند کیا، اس نے اپنے آپ کو مُردوں[1] کے ساتھ ملا کر بھلائی پر غفلت کو فوقیت دی، اس لیے کہ نیند موت کی مثل ہے اسی لیے نیند کی نسبت باری تعالیٰ کی طرف جائز نہیں، کیونکہ اس کی ذات تمام نقائص سے مبرّا اور پاک ہے، چونکہ فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل ہے اس لیے وُہ بھی نیند سے آزاد ہیں اسی طرح اہلِ جنت جب وُہ انتہائی بلند مقامات، اور پاک و نفیس منازل پر فائز ہوں گے نیند سے بے نیاز ہوں گے، پس حقیقی بھلائی اور کامیابی کا راز جاگنے ہی میں مضمر ہے اور تمام برائیوں اور نقصانات کی جڑ نیند اور نیک کاموں سے غفلت ہے جو شخص جسمانی لذت کی خاطر کھائے گا وہ زیادہ کھائے پئے گا، لہٰذا بہت سوئے گا، چنانچہ بہت ساری نیکیاں ضائع کر بیٹھے گا، اور جس شخص نے حرام میں سے کچھ کھایا اس کی مثال اس شخص کی ہے جس نے محض نفسانی خواہشات سے مباح چیز زیادہ کھائی اس لیے کہ حرام نورِ ایمان کو اس طرح ڈھانپ لیتا اور تاریک کر دیتا ہے جیسے شراب عقل کو تاریک کر دیتی ہے، اور ڈھانپ لیتی ہے، اور جب ایمان تاریک ہو گیا تو نماز، عبادات اور

---

[1] مصری نسخے میں واللحوق بالموت ہے جبکہ لاہوری نسخے میں واللحوق بالموتی ہے ہم نے موخر الذکر کو ترجیح دی ہے

اخلاص میں سے کوئی چیز بھی نہ بچی، اور جس نے امرِ الٰہی سے حلال میں سے زیادہ کھا لیا، تو وہ اس شخص کے مثل ہوگا جس نے عبادت میں ذوق و سرور اور قوت کی خاطر حلال سے کم کھایا، پس حلال نور علیٰ نور ہے اور حرام تاریکیوں میں تاریکی حرام میں کوئی بھلائی نہیں ہے، پھر بغیر امرِ الٰہی اپنی خواہش سے حلال میں سے کھانا گویا ایک طرح سے حرام کھانا ہے جو نیند کا باعث بنتا ہے اور اس میں کوئی بھلائی نہیں ہے۔

(۵۰) قرب اور بُعدِ خداوندی

تیرا معاملہ دو حال سے خالی نہیں یا تو قربِ خداوندی سے دُور ہوگا یا قربِ الٰہی میں داخل باللہ، اگر تو اللہ سے دُور ہے تو آخر اس طرح خاموش بیٹھ رہنے، نعمت اور الطافِ خداوندی کے حصول، پائیدار عزت، نفعِ عظیم، سلامتی اور دولت مندی اور دنیا و آخرت میں محبوبیت کے حصول میں سُستی اور کوتاہی کا کیا فائدہ ہے، اُٹھ! اور دونوں بازوؤں سے اسی بارگاہِ قدس کی طرف پرواز کر، ایک بازو حرام و مباح، لذات و شہوات اور آرام و سکون کا چھوڑنا ہے اور دوسرا تکلیف و مکروہات کا برداشت کرنا، فرائض کی ادائیگی، عمل میں محنت و ریاضت پر صبر، اور دنیا و آخرت کی خواہشات اور عزائم کے چکر سے نکلنا ہے یہاں تک کہ تو قرب اور وصول الی اللہ کے مقام پر فائز ہو، اس وقت تو جس چیز کی آرزو کرے گا پائے گا، تجھے مراتب بلند اور اعزاز سے نوازا جائے گا، اور اگر تو مقربین اور واصلینِ بارگاہ میں سے ہے جو عنایت الٰہی سے شاد کام مہرِ ربانی سے معمور، محبتِ حق سے سرشار، اور بخشش و رحمت ایزدی کا مہبط ہیں تو خوب ادب کر! اور اپنے حال پر فخر و غرور نہ کر: کہیں ایسا نہ ہو کہ اس کی وجہ سے ادائے خدمت میں کمی کرنے لگے، اور آدابِ خدمت پورے نہ کرے اور حقیقی سرکشی جہل و ظلمت اور عجلت کا شکار ہو جائے ارشاد ربی ہے:

- وحملها الانسان انه كان ظلوماً جهولاً۔[1]

---

[1] الاحزاب : ۷۲

(۵۰) قُرب اور بُعدِ خداوندی

تیرا معاملہ دو حال سے خالی نہیں یا تو قربِ خداوندی سے دُور ہو گا یا قربِ الٰہی میں واصل باللہ، اگر تو اللہ سے دُور ہے تو آخر اس طرح خاموش بیٹھ رہنے، نعمت اور الطافِ خداوندی کے حصول، پائیدار عزت، نفعِ عظیم، سلامتی اور دولت مندیٔ اور دنیا و آخرت میں محبوبیت کے حصول میں سستی اور کوتاہی کا کیا فائدہ ہے؛ اُٹھ! اور دونوں بازوؤں سے اسی بارگاہِ قدس کی طرف پرواز کر، ایک بازو حرام ومباح، لذات وشہوات اور آرام وسکون کا چھوڑنا ہے اور دوسرا تکلیف ومکروہات کا برداشت کرنا، فرائض کی ادائیگی، عمل میں محنت وریاضت پر صبر، اور دنیا وآخرت کی خواہشات اور عزائم کے چکر سے نکلنا ہے یہاں تک کہ تو قرب اور وصول الی اللہ کے مقام پر فائز ہو، اس وقت تو جس چیز کی آرزو کرے گا پائے گا، تجھے مراتب بلند اور اعزاز سے نوازا جائے گا، اور اگر تو مقربین اور واصلینِ بارگاہ میں سے ہے جو عنایت الٰہی سے شاد کام مہرِ ربانی سے معمور، محبتِ حق سے سرشار، اور بخشش ورحمت ایزدی کا مہبط ہیں تو خوب ادب کر! اور اپنے حال پر فخر وغرور نہ کر؛ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس کی وجہ سے ادائے خدمت میں کمی کرنے لگے، اور آدابِ خدمت پورے نہ کرے اور حقیقی سرکشی جہل وظلمت اور عجلت کا شکار ہو جائے ارشاد ربی ہے؛

- وحملها الانسان انه كان ظلوما جهولا[1]

---

[1] الاحزاب : ۷۲

(اور آدمی نے اٹھالی بے شک وہ اپنی جان کو مشقت میں ڈالنے والا بڑا
نادان ہے)

دوسری جگہ ارشاد ہے:

وکان الانسان عجولا[1]

(اور آدمی بڑا جلد باز ہے)

اور خواہشات نفس، حُبِّ دنیا اور ارادہ و عزائم ایسی چیزیں جنہیں تو ترک کر چکا ہے اسی طرح مصائب و آزمائش کے وقت صبر و رضا کا دامن چھوٹنے پر ول کی حفاظت و نگرانی کر اللہ جل مجدہٗ کے سامنے اپنے آپ کو گیند کی طرح جیسے سوار چوگان سے پھراتا ہے یا غسل دینے والے کے سامنے میت کی طرح، یا ماں کی گود میں شیر خوار بچے کی طرح ڈال دے اس کے غیر سے اندھا ہو جا، اس کے وجود حقیقی کے سوا کوئی وجود دیکھ اور نہ ہی اس کے علاوہ سے نفع و نقصان، منع و عطا کی اُمید رکھ!

مخلوق اور اسباب دنیا کو تکلیف و آزمائش کے وقت ایسا تازیانہ سمجھ جس سے اللہ تعالیٰ تجھے تنبیہ کرتا ہے اور نعمت و عطا کے وقت قدرت کی طرف سے اسے ایسا دستِ رحمت سمجھ جو تیری پرورش کرتا ہے۔

(۵۱) مقامِ زُہد

زاہد کو دوگنا ثواب ملتا ہے، ایک ترکِ دنیا کی وجہ سے، کیونکہ زاہد دنیا میں اپنی خواہش اور اتباع نفس کے طور پر نہیں بلکہ محض امرِ خداوندی کے تحت دخل دیتا ہے، جس وقت زاہد اپنے نفس اور خواہشات کی مخالفت پر قادر ہو جاتا ہے تو وہ محققین اور اہلِ ولایت میں شامل ہو جاتا ہے اور عرفاء اور ابدالوں کی جماعت میں اُسے داخل کیا جاتا ہے، اس وقت زاہد کو ان حصوں کے لینے اور ان سے تعلق قائم کرنے کا حکم ہوتا ہے کیونکہ یہ حصے اصل میں

---

[1] بنی اسرائیل: ۱۱

اسی کے لیے بنائے گئے ہیں اور اسی کے ہیں، غیر کا ان کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ تقدیرِ خداوندی
اور علمِ الٰہی میں یہی مقدر ہو چکا ہے، پھر جب زاہد حکمِ خداوندی بجا لاتا ہے یا اس کے بارے میں
علمِ الٰہی سے مطلع ہو جاتا ہے اور اپنی شان میں تقدیر اور فعلِ الٰہی کے جاری ہونے کے سبب بغیر
اس بات کے کہ وہ اس میں خواہش اور ارادہ و ہمت کے بغیر اس سے ملتا ہے تو اسے دوہرا
ثواب دیا جاتا ہے، کیونکہ وہ عملی طور پر فعلِ خداوندی کی موافقت اور اس کے حکم کی بجا آوری کرتا ہے
اگر یہاں پر اعتراض کیا جائے کہ تم نے اپنی تقریر میں ایک ایسے شخص کے لیے جو انتہائی بلند مرتبے
پر فائز ہے ثواب کا اطلاق کس طرح کیا ہے، جبکہ وہ ابدالوں اور عارفین کی جماعت کا فرد ہے اور اس
مبارک گروہ سے تعلق رکھتا ہے جو مخلوق کے علاوہ نفس اور خواہشات ارادہ و حصہ، اور اپنے اعمال کی
جزا سے بھی بے نیاز اور فنا فی الحق ہے! اور یہی وہ گروہ ہے جو اپنی جملہ عبادات اور نیکیوں کو فعلِ الٰہی،
رحمت و نعمت ایزدی اور ہر توفیق و سہولت کو اسی بلند و بالا ذات کی کرم گستری سمجھتا ہے، ان کا
اعتقاد ہے کہ ہم خدا کے بندے ہیں اور بندہ اپنے مولیٰ پر کوئی حق نہیں رکھتا، کیونکہ بندہ اپنی ذات،
حرکات و سکنات اور کسب وہنر سمیت اپنے مولیٰ کی ملکیت ہے، تو تم نے کس طرح یہ کہہ دیا کہ اسے
دوگنا ثواب ملتا ہے حالانکہ اسے ثواب کی طلب ہے اور نہ اپنے عمل کے بدلے کی ضرورت! بلکہ
اسے تو اپنی ذات میں کوئی عمل دکھائی ہی نہیں دیتا، عمل کے اعتبار سے وہ اپنے آپ کو انتہائی
بے کار اور مفلس سمجھتا ہے۔ اس شبہے کے جواب میں ہم کہتے ہیں کہ آپ کی ساری بات اپنی جگہ پر
صحیح ہے، لیکن اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کاملہ سے اسے ثواب عطا کرتا ہے، ناز و نعمت میں اس کی
پرورش کرتا ہے اور خصوصی لطف و عنایت اور احسان و عطا سے اس کی تواضع کرتا ہے، کیونکہ
اس نے دنیا میں اپنی مصلحتوں اور لذتوں اور اسی طرح دفع نقصان سے اپنا ہاتھ اس طرح
اٹھا لیا ہے جس طرح ایک شیر خوار بچہ اپنے نفس کے مفادات سے بالکل بے نیاز ہو کر محض فضل و
رحمت خداوندی کے زیر سایہ اپنے والدین کی کفالت میں پرورش حاصل کرتا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ
اس سے اپنے نفس کے مفادات اور مصالح کی خواہش اٹھا لیتا ہے تو مخلوق کے دلوں کو اس
حد تک مہربان کر دیتا ہے کہ ہر شخص اس کے ساتھ مہربانی، حسنِ سلوک اور احسان کے ساتھ
پیش آتا ہے، پس جو شخص ماسوی اللہ سے منہ موڑ کر فنا فی الحق ہو جاتا ہے اور اسے امر و فعل الٰہی

کے بغیر کوئی چیز جنبش نہیں دے سکتی تو دنیا و آخرت میں فضل ایزدی اس پر سایہ کر لیتا ہے، ناز و نعمت سے اس کی پرورش ہوتی ہے اور اس سے ہر قسم کی تکلیف اٹھالی جاتی ہے۔ فرمانِ خداوندی ہے،

ان ولیّ اللہ الذی نزل الکتاب وھو یتولی الصالحین[1]

(بے شک میرا ولی اللہ ہے جس نے کتاب اتاری اور وہ نیکوں کو دوست رکھتا ہے)

(۵۲) نزدیکاں را بیش بود حیرانی

اللہ تعالیٰ مومنین میں سے ایک ایسے گروہ کو جو اس کا دوست اور اہل معرفت و ولایت ہوتا ہے آزمائش میں ڈال دیتا ہے، تاکہ اس آزمائش اور مصیبت کی وجہ سے وہ بارگاہِ خداوندی میں سوال کرے اللہ تعالیٰ اس کی دعا اور اپنی بارگاہ میں سوال کو بہت ہی پسند فرماتا ہے چنانچہ جب یہ لوگ دعا کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ اسے جلدی قبول فرما لیتا ہے تاکہ انھیں جود و کرم اور بخشش وعطا کا حصہ وافر عنایت فرما دے کیونکہ جود و کرم سوال کے وقت بارگاہِ الٰہی میں قبولیتِ دعا کا سبب بنتے ہیں، کبھی دعا جلد مقبول ہو جاتی ہے اور بعض اوقات نہیں ہوتی، مگر خیال رہے کہ اس کی وجہ محض عدمِ مقبولیت یا بدقسمتی اور محرومی نہیں، بلکہ اس کا سبب دعا کی قبولیت کے مقررہ وقت میں مقدر تاخیر ہوتی ہے لہٰذا مناسب ہے کہ آزمائش اور مصیبت کے وقت بندہ صبر اختیار کرے، احکامِ الٰہی کی خلاف ورزی ظاہر ہو یا باطنی اور تقدیرِ خداوندی پر اعتراض اور چون وچرا کے متعلق اپنے کردہ گناہوں کا جائزہ لے کیونکہ بسا اوقات اپنے ان گناہوں ہی کی وجہ سے آزمائش میں ڈالا جاتا ہے، پھر اگر یہ آزمائش ٹل گئی تو درست! ورنہ مناسب ہے کہ ہمیشہ عاجزی و زاری کے ساتھ دعا اور معذرت میں مشغول رہے اور اسے اپنا وظیفہ بنا لے، ممکن ہے کہ اس کی یہ آزمائش سرے سے ہو ہی اسی لیے کہ وہ خدا سے سوال و دعا کرتا رہے

---

[1] الاعراف: ۱۹۶

اگر قبولیت میں تاخیر ہو جائے تو اللہ رب العزت پر کسی قسم کی تہمت نہ لگا دے جیسا کہ ہم مفصل بیان کر چکے ہیں۔

(۵۳) رضا و فنا

اللہ تعالیٰ سے اس کی تقدیر پر رضا مندی اور اس کی حکمتوں میں فنا ہو جانے کی نعمت طلب کر! کیونکہ یہ اطمینان و شادمانی کا باعث دنیا کی جنت، تقربِ الٰہی کا دروازہ اور محبتِ الٰہی کا سبب ہے جسے اللہ تعالیٰ اپنا دوست بنا لیتا ہے تو دنیا و آخرت میں اسے کوئی تکلیف نہیں پہنچنے دیتا، رضا اور فنا ہی وہ بلند مراتب ہیں جن کے ذریعے وصالِ ربی، قربِ خداوندی اور اس کی ذات سے محبت ایسی لازوال نعمتیں نصیب ہوتی ہیں، مال و رزق کی ایسی اقسام کے پیچھے نہ پڑو! جو خدا جانے تمہاری قسمت میں ہیں بھی سہی یا نہیں؟ جو تمہارا حصہ اور مقدر ہے اس کی طلب میں (خواہ مخواہ) سرگردانی پرلے درجے کی بے وقوفی، جہالت، سرکشی اور بدترین عذاب ہے۔ مشہور مثل ہے کہ "ایسی چیز کی طلب جو مقسوم میں ہی نہیں ہے خطرناک عذاب ہے اور اگر مقسوم میں ہے تو اس کی طلب، لالچ، حرص اور مرتبۂ عبودیت اور محبت و حقیقت میں شرک ہے اپنے حصے کا متلاشی محبتِ الٰہی میں مخلص نہیں ہو سکتا، کیونکہ جس نے اللہ کے ساتھ غیر اللہ کو معمولی سی اہمیت بھی دی وہ انتہائی جھوٹا اور اپنے عمل کے بدلے کا متلاشی ہے ایسا شخص مخلص نہیں، مخلص تو وہ ہے جس نے اللہ کی صدقِ دل سے عبادت کی تاکہ وہ حقِ ربوبیت ادا کر دے اللہ تعالیٰ کے مالک اور مستحقِ عبادت ہونے کی وجہ سے اس کی عبادت کی، کیونکہ اللہ تعالیٰ بندے کا مالک ہے اور بندے پر اس کی عبادت و طاعت لازم ہے۔ بندہ اپنے وجود، حرکات و سکنات اور کسب و ہنر سمیت اللہ ہی کی ملک ہے۔ اسی طرح بندہ اور اس کی ساری ملکیت کا مالکِ حقیقی بھی اللہ ہے۔ تمام عبادات اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندے پر فضل و نعمت ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی کی مہربانی و عنایت سے بندے کو ادائے عبادات کی توفیق نصیب ہوئی۔ لہٰذا بندے کا اپنی عبادت و طاعت کا بدلہ طلب کرنے کی نسبت بہتر ہے کہ وہ (ان عبادات کی توفیق بخشنے والے) پروردگار کے احسان و شکر میں مشغول رہے تو دنیا میں نفس کی پسندیدہ اشیاء کی طلب

اگر قبولیت میں تاخیر ہو جائے تو اللہ رب العزت پر کسی قسم کی تہمت نہ لگا دے جیسا کہ ہم مفصل بیان کر چکے ہیں۔

(۵۳) رضا و فنا

اللہ تعالیٰ سے اس کی تقدیر پر رضامندی اور اس کی حکمتوں میں فنا ہو جانے کی نعمت طلب کر! کیونکہ یہ اطمینان و شادمانی کا باعث دنیا کی جنت، تقربِ الٰہی کا دروازہ اور محبتِ الٰہی کا سبب ہے جسے اللہ تعالیٰ اپنا دوست بنا لیتا ہے تو دنیا و آخرت میں اسے کوئی تکلیف نہیں پہنچنے دیتا، رضا اور فنا ہی وہ بلند مراتب ہیں جن کے ذریعے وصالِ ربّی، قربِ خداوندی اور اس کی ذات سے محبت ایسی لازوال نعمتیں نصیب ہوتی ہیں، مال و رزق کی ایسی اقسام کے پیچھے نہ پڑو! جو خدا جانے تمہاری قسمت میں ہیں بھی سہی یا نہیں؟ جو تمہارا حصہ اور مقدر ہے اس کی طلب میں (خواہ مخواہ) سرگردانی پرلے درجے کی بے وقوفی، جہالت، سرکشی اور بدترین عذاب ہے۔ مشہور مثل ہے کہ "ایسی چیز کی طلب جو مقسوم میں ہی نہیں ہے خطرناک عذاب ہے اور اگر مقسوم میں ہے تو اس کی طلب، لالچ، حرص اور مرتبۂ عبودیت اور محبت و حقیقت میں شرک ہے اپنے حصے کا متلاشی محبتِ الٰہی میں مخلص نہیں ہو سکتا، کیونکہ جس نے اللہ کے ساتھ غیر اللہ کو معمولی سی اہمیت بھی دی وہ انتہائی جھوٹا اور اپنے عمل کے بدلے کا متلاشی ہے ایسا شخص مخلص نہیں، مخلص تو وہ ہے جس نے اللہ کی صدقِ دل سے عبادت کی تاکہ وہ حقِ ربوبیت ادا کر دے اللہ تعالیٰ کے مالک اور مستحقِ عبادت ہونے کی وجہ سے اس کی عبادت کی، کیونکہ اللہ تعالیٰ بندے کا مالک ہے اور بندے پر اس کی عبادت و طاعت لازم ہے۔ بندہ اپنے وجود، حرکات و سکنات اور کسب و ہنر سمیت اللہ ہی کی ملک ہے۔ اسی طرح بندہ اور اس کی ساری ملکیت کا مالکِ حقیقی بھی اللہ ہے۔ تمام عبادات اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندے پر فضل و نعمت ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی کی مہربانی و عنایت سے بندے کو ادائے عبادات کی توفیق نصیب ہوئی۔ لہٰذا بندے کا اپنی عبادت و طاعت کا بدلہ طلب کرنے کی نسبت بہتر ہے کہ وہ (ان عبادات کی توفیق بخشنے والے) پروردگار کے احسان و شکر میں مشغول رہے تو دنیا میں نفس کی پسندیدہ اشیاء کی طلب

میں کس طرح مصروف ہو جاتا ہے جبکہ مخلوق میں سے اکثر لوگوں کا حال تیرے سامنے ہے کہ جب ان کے پاس دنیوی ساز و سامان کی کثرت اور لذات و متاعِ دنیا کی فراوانی ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ سے کفرانِ نعمت اور تقدیرِ خداوندی پر ان کی ناراضگی اور بھی بڑھ جاتی ہے اپنی قسمت پر صبر و شکر کے برعکس جو چیز سرے سے مقسوم میں ہی نہیں ہوتی اس سے محرومی اور اسے حاصل کرنے کی تڑپ میں اُن کا رنج و غم زیادہ ہو جاتا ہے اپنے مال و رزق کے حصے کو معمولی اور حقیر اور دوسروں کے رزق کو زیادہ اور کثیر سمجھ کر اسے طلب کرنے لگتے ہیں لیکن غیروں کا حصہ طلب کرتے کرتے ان کی زندگیاں ختم ہو جاتی ہیں، قویٰ مضمحل اور ضعیف ہو جاتے ہیں۔ جسمانی طاقت جواب دے جاتی ہے پیشانیاں طویل زندگی کا بوجھ اٹھانے کی وجہ سے پسینہ پسینہ ہو جاتی ہیں، کثرتِ گناہ اور غیروں کے مقسوم کی طلب میں بڑے بڑے گناہوں کے ارتکاب اور احکامِ الٰہی میں غفلت کی وجہ سے ان کے نامہ ہائے اعمال سیاہ ہو جاتے ہیں، مگر دوسروں کا حصہ (مقسوم) نہیں ملتا، وہ دنیا سے خالی ہاتھ چلے جاتے ہیں۔ اس وقت ان کی حالت یہ ہوتی ہے کہ ع

نہ اِدھر کے رہے نہ اُدھر کے رہے

دنیا و آخرت برباد کر بیٹھتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ نہ تو انہوں نے اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ مقسوم کا شکر ادا کر کے انہیں عباداتِ الٰہی کا ذریعہ بنایا، اور نہ ہی وہ دوسروں کا حصہ حاصل کر سکے! اور اپنی دنیا و عاقبت تباہ کر ڈالی، یہی وہ لوگ ہیں جو مخلوق میں سے عقل و شعور کے اعتبار سے بدترین احمق اور بیوقوف واقع ہوئے ہیں، اگر وہ تقدیرِ الٰہی پر راضی و شاکر رہتے ہوئے عطائے مولیٰ پر قناعت کرتے اور اپنے رب کی عبادت میں مشغول رہتے تو کسی محنت و طلب کے بغیر دنیا بھر کی نعمتیں اور قسمتیں ان کے پاس کھنچی چلی آتیں، انہیں قربِ خداوندی نصیب ہوتا اور اپنی ہر مراد اور تمنا میں کامیابی حاصل کر لیتے، اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ کو ان لوگوں میں سے بنائے جو اس کی تقدیر پر راضی ہو گئے، اور جن کی دعائیں رضا اور فنا حفاظتِ حال اور اس چیز پر جو بارگاہِ خداوندی میں مقبول و محبوب ہے میں منحصر ہیں۔

(۵۴) وصول الی اللہ کا طریق

جو شخص آخرت کی بھلائی چاہتا ہے اسے چاہیے کہ دنیا میں زہد اختیار کرے اور جس کا مقصود و منتہیٰ ذات باری ہے اس کے لیے مناسب ہے کہ وہ آخرت سے کنارہ کش ہو جائے دنیا کو آخرت کے لیے اور آخرت کو خدا کے لیے چھوڑ دے جب تک خواہشات دنیا میں سے کوئی خواہش اور لذات میں سے کوئی لذت یا راحتوں میں سے کوئی راحت مثلاً کھانے، پینے، پہننے، نکاح کرنے، مکان و سواری، حکومت و ریاست، ترقی فنون اور علم فقہ میں سوائے ارکانِ خمسہ یا مختلف سندات سے روایت حدیث یا علم قرأت سبعۂ قرآن، نحو، لغت، فصاحت بلاغت کے اسی طرح تنگ دستی کے زائل ہونے اور تونگری و دولتمندی کے حصول، آزمائش و مصیبت کے ٹلنے اور عافیت و سکون، دفعِ ضرر اور اکتسابِ نفع میں سے کوئی معمولی سی چیز بھی دل میں باقی ہے تو وہ زاہد صادق نہیں ہے کیونکہ ان تمام چیزوں میں لذتِ نفس، موافقتِ خواہش اور آرامِ طبع ہے یہ ساری دنیوی چیزیں جن کا حصول وہ ہمیشہ کے لیے چاہتا ہے اور دنیا میں ان سے آرام و سکون حاصل کرتا ہے دل کو ان سے آزاد اور مستغنی کرنے کی کوشش کرے اور اپنے نفس کو انہیں دور کرنے، جڑ سے اکھاڑ پھینکنے اور نیستی و تنگ دستی اور ہمیشہ کی محتاجی پر راضی رہنے پر آمادہ رکھے مذکورہ اشیاء میں سے کسی چیز کی کھجور کی گٹھلی چوسنے اتنی آرزو و خواہش بھی باقی نہ رہے تاکہ دنیا سے اس کا زہد خالص ہو جائے جب زہد میں کامل ہو جائے گا تو دل سے ہر قسم کی پریشانی و رنج اور باطن کی سختی نکل جائے گی اور اس کے بدلے میں راحت و سرور تعلق باللہ کی کیفیت پیدا ہو جائیگی آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے،

"زہد دنیا میں قلب اور جسم دونوں کے لیے راحت اور خوشی کا موجب ہے۔"

جب تک دل میں ان چیزوں میں سے کوئی چیز باقی رہے گی تو پریشانی، رنج اور خوف موجود رہے گا۔ ذلت اور اللہ تعالیٰ اور اس کے قرب سے حجاب کثیف موجود رہے گا لیکن جس وقت دنیا کی محبت دور ہو جائے گی اور تمام دنیوی رشتے منقطع ہو جائیں گے تو وہ تمام حجابات اٹھ جائیں گے۔ اس کے بعد آخرت سے زہد اختیار کرے، اور یہ مراتبِ بلند، حور و غلمان، بلند و بالا محلات،

باغات، سواریاں، لباس، زیورات، طعام اور اپنے خاص بندوں کے لیے اللہ تعالےٰ کی ہر وعدہ کردہ نعمت کی طلب و امید سے سکوت اور خاموشی سے حاصل ہوگا، اسی طرح دنیا و آخرت میں اللہ تعالیٰ سے اپنے عمل کا اجر و ثواب بھی ہرگز نہ مانگے اس طرح وُہ دیکھے گا کہ اللہ جل مجدہٗ اپنی رحمت و بخشش سے اسے مکمل جزا عنایت فرمائے گا اور اُسے گوناگوں الطاف و احسانات سے نوازے گا! جس طرح اپنے رسل، انبیاء، اولیاء، خواص، اصحاب اور عرفاؑ کے ساتھ اس کا طریقہ ہے، اس مقام پر پہنچ کر بندہ دمِ واپسیں تک ہر روز ترقی میں ہوگا اور آخرت میں اس پر وہ وہ نوازشیں کی جائیں گی جنہیں کسی آنکھ نے دیکھا ہے اور نہ کسی کان نے سُنا ہے اور نہ ہی کسی دل پر ان کا وہم و گمان گزرا ہے۔ وُہ ایسی نعمتیں ہیں جن کے ادراک سے عقلیں عاجز اور جن کے بیان کی تاب الفاظ نہیں لا سکتے۔

(۵۵) ترک لذات

// خواہشات دنیوی تین مواقع پر ترک کی جاتی ہیں، پہلا جس وقت بندہ اپنی جہالت کے اندھیروں میں بھٹک رہا ہوتا ہے اور اس کی وجہ سے وہ تمام حالات میں (حکم الٰہی کے برعکس) اپنی خواہش پر عمل کرتا ہے اس وقت بندہ اپنے رب کی عبادت اور شریعت نبوی کا لحاظ کیے بغیر مصروفِ عمل ہوتا ہے۔ ان حالات میں اللہ تعالیٰ اس پر رحمت کی نگاہ ڈالتا ہے اور اپنے نیک بندوں میں سے ایک ناصح اور واعظ اس کے پاس بھیج دیتا ہے، جبکہ اس سے پہلے ایک واعظ اور ناصح تو خود اس کی ذات میں (اس کا ضمیر) موجود ہوتا ہے، چنانچہ یہ دونوں ناصح مل کر اس کے نفس اور طبیعت پر قابو پا لیتے ہیں، اور ان کی نصیحت کارگر ہوتی ہے۔ اس وقت نفس حق کی مخالفت کی اس بے راہ روسواری کے نقصانات سے آگاہی حاصل کر کے اپنے تمام تصرفات میں اتباعِ شریعت کی طرف پھر جاتا ہے، اور بندہ حقیقی مسلمان اور عاملِ شریعت بن کر اپنی طبیعت کو اس کا خوگر بنا لیتا ہے، اور دنیا کی تمام حرام اور مشتبہ اشیاء ترک کر کے مخلوق کے احسانات سے بھی سبکدوش ہو جاتا ہے، اپنے لباس و طعام، نکاح اور مکان بلکہ اپنی ہر حالت اور تمام ضروری امور میں مباح اور حلال اشیاء اختیار کرتا ہے تاکہ ان سے جسم کے لیے

ضروری غذا حاصل کرکے اُسے اپنے رب کی عبادت و طاعت میں قوت و طاقت کا سبب بنائے اور اپنے لئے مقدر حصہ مکمل طور حاصل کرلے، حقیقت یہ ہے کہ بندے کا اس دنیا کو چھوڑنا اس وقت تک ممکن ہی نہیں، جب تک کہ وُہ دنیا میں سے اپنے حصّے کو حاصل کرکے اس سے مکمل استفادہ نہ کرلے، الغرض وُہ مباح اور حلال کی سواری پر سوار ہوکر سیر کرتے ہوئے ان لوگوں کی جماعت میں داخل ہوجائے جو محقق، خواص، صاحبِ عزیمت اور محب صادق ہیں۔ اس وقت وُہ امرِ خداوندی سے تناول کرتا ہے، اور اسے باطنی طور پر بارگاہِ الٰہی سے ندا کی جاتی ہے "اپنے نفس کو چھوڑ دے اور آجا، اگر اپنے خالق کا وصال چاہتا ہے تو مخلوق اور خواہشات کو ترک کردے، دنیا اور آخرت کے تمام قلاوے اپنی گردن سے اتار پھینک! کائنات کی ہر چیز اور ارادہ و خواہشات سے خالی ہوجا! تمام موجودات سے علیحدہ اور بے تعلق ہوجا! توحید پر شاداں و فرحاں اور شرک سے مجتنب ہوجا! اس کے بعد اندر داخل ہو اور ادب سے گردن جھکا کر چلا آ! دائیں بائیں دنیا کی دل لبھانے والی چیزوں پر نظر نہ کر! جب انسان اس مقام پر پہنچ جاتا ہے تو بارگاہِ الٰہی سے اُسے خلعتیں عطا ہوتی ہیں اور علوم و معارف کے انوار اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا نزول ہوتا ہے، اس وقت اسے کہا جاتا ہے کہ نعمت اور فضلِ خداوندی سے اپنا دامن بھرلو! ان کی قدر نہ کرکے بے ادبی کا ارتکاب نہ کر! کیونکہ شاہی نعمتوں سے مُنہ موڑنا اس بارگاہِ قدس کی توہین اور سُبکی ہے، یہاں اپنے نفس کو فنا کرکے اللہ تعالیٰ کے ساتھ بقا باللہ کے مرتبے پر فائز ہوکر اس کی رحمت و عنایت حاصل کرے، خلاصۂ کلام یہ کہ حظوظ اور اُن کی اقسام کے لینے میں چار حالتیں ہیں:

(۱) صرف خواہش نفس کی بنا پر اور یہ حرام ہے۔

(۲) شریعت کی بنا پر اور یہ مباح ہے۔

(۳) امرِ باطنی کے طور پر اور یہ ولایت اور خواہشات کے ترک کی صورت ہے۔

(۴) ازروئے فضل و موہبتِ الٰہی اور بے ارادہ و خواہش کی شکستگی اور ابدالیت کے مقام کا حصول ہے۔

اصل میں جو شخص اس مقام پر فائز ہوجاتا ہے اسی کو صالح کے لقب سے نوازا جاتا ہے۔ ارشادِ باری ہے: ان ولیّ اللہ الذی نزل الکتٰب وھو یتولی الصّٰلحین[۱]

---

[۱] الاعراف: ۱۹۶

(بے شک میرا ولی اللہ ہے جس نے کتاب اتاری اور وہ نیکوں کو دوست رکھتا ہے)

اور یہ اس بندے کی شان میں ہے جس نے اپنی مصلحتوں اور مفادات اور اسی طرح نقصان و ضرر کے دفع کرنے سے مکمل طور پر اپنا ہاتھ ایسے کھینچ لیا ہے جیسے شیر خوار بچہ دایہ کے ہاتھوں میں اور میت غسل دینے والے کے سامنے خود سپردگی کا مظہر ہوتے ہیں، ٹھیک اسی طرح بندے کی اپنی تدبیر اور اختیار کے بغیر دستِ ربوبیت اس کی پرورش کرتا ہے، وہ حال ہو یا مقام و ارادہ سب سے خالی ہو کر تقدیر میں فانی ہو جاتا ہے کبھی تو اسے وہ مرفہ الحال کر دیتی ہے اور کبھی تنگ دست، کبھی غنی اور دولت مند بنا دیتی ہے اور کبھی محتاج و مفلس، لیکن وہ نہ تو ان میں سے اپنے طور پر کسی چیز کو پسند کرتا ہے اور نہ کسی سے نفرت کرتا ہے بلکہ اس کا مشرب ہر چیز پر دائمی رضامندی اور کلی موافقت بن جاتا ہے اور رضا و موافقت ہی وہ بلند مقام ہے جو اولیاء اللہ کے مقامات و احوال میں سے بلند ترین مرتبہ ہے [1]

(۵۶) مراتبِ فناء

دنیا کی ہر شے سے آنکھیں بند کر لے! اور کسی چیز کی طرف نہ دیکھ جب تک تو کسی چیز (غیر اللہ) کی طرف متوجہ رہے گا۔ قرب اور فضلِ خداوندی کی راہ تجھ پر نہیں کھلے گی۔ توحید، فنائے نفس، محویت ذات، اور نفی علم کے ذریعے دوسرے تمام راستے بند کر دے! چنانچہ تیرے دل میں اللہ کے فضلِ عظیم کا درِ رحمت کھل جائے گا اور تو اسے ظاہری آنکھوں سے قلب و ایمان اور یقین کے نور سے مشاہدہ کرے گا، اس وقت اس شمع کے نور کی طرح جو سخت تاریک اور کالی رات میں مکان کے روشندانوں اور کھڑکیوں سے چھن کر صحن کو منور کر رہا ہوتا ہے وہ نور تیرے باطن کو جگمگا کر تیرے ظاہر کو بھی روشن کر دے گا، نیز نفس اور اعضا کسی ماسوی اللہ کی عطا اور وعدے سے نہیں بلکہ عطا اور وعدۂ الٰہی سے سکون حاصل کریں گے، اپنے آپ پر رحم کر ظلم نہ کر! اپنی جان کو جہالت و رعونت کی تاریکیوں میں نہ ڈال، پھر جس وقت تو مخلوق اور قوت و کسب اور اسباب پر تکیہ کر کے ان پر بھروسہ کر بیٹھے گا تو تجھ سے یہ ساری چیزیں

---

[1] یہ مقالہ لاہوری نسخے میں بالکل مختصر ہے ہم نے مصری نسخے کے مطابق مفصل مقالے کا ترجمہ کر دیا ہے۔

پھر جائیں گی، غیر اللہ کی طرف متوجہ ہونے کے شرک پر عذاب میں مبتلا ہو گا اور رحمتِ خداوندی منہ موڑ لے گی، پھر جب تو دوبارہ توحید پر قائم ہو گا اس کی عنایت پر نظر اور اس کی رحمت کا امیدوار بنے گا، ماسوی اللہ سے آنکھیں بند کر لے گا، تو اللہ تعالیٰ تجھے اپنا مقرب بنالے گا، اور زیادہ قرب بخشے گا، تجھ پر رحمت نازل فرمائے گا اور تیری پرورش اس طرح کرنے گا کہ تجھے کھلائے گا پلائے گا، دوا کرے گا عافیت اور سکون عطا فرمائے گا اور اپنی عطا و بخشش کے ذریعے تجھے بے نیاز کر دے گا، تیری مدد کرے گا، عزت بخشے گا، اس مقام پر بندہ ایسے مقام پر فائز ہو جاتا ہے کہ وہ صرف اللہ تعالیٰ اور اُس کے قُرب کا خواہاں ہوتا ہے، اس وقت اللہ تعالیٰ کا خصوصی فضل اس پر سایہ فگن ہو جاتا ہے اس کی نعمتوں سے شاد کام اور اس کی بے پایاں رحمت سے مستفید ہوتا ہے، اس سے وعدہ کیا جاتا ہے کہ رحمتِ ایزدی کے یہ دروازے اس پر کبھی بند نہیں ہوں گے، اس مقام پر بندہ اللہ ہی کا ہو کر رہ جاتا ہے، اس کا ارادہ مشیتِ ایزدی میں فنا اور اس کی تدبیر تقدیر الٰہی کے تابع ہو جاتی ہے چنانچہ بندہ مشیت الٰہی سے چاہتا اور اس کی رضا پر راضی رہتا ہے، صرف اللہ تعالیٰ کے حکم کی پابندی کرتا ہے وجود اور فعل دونوں میں غیر اللہ کو نہیں دیکھتا، اس وقت اگر اللہ تعالیٰ اپنے وعدہ کا ایفا اس پر ظاہر نہ کرے اور بندہ نے جو جو توقعات وابستہ کر رکھی ہیں وہ پوری نہ ہوں، تو ایسا ممکن ہے کیوں کہ خواہش و ارادہ اور خواہشاتِ نفس کی طلب کے زائل ہونے کے ساتھ غیریت ختم ہو گئی، اور دراصل یہ سب کچھ حق سبحانہٗ و تعالیٰ کا فعل و ارادہ اور مراد بن جاتی ہے، اس مقام پر اس کی طرف وعدہ یا وعدہ خلافی کی نسبت ہی سرے سے غلط ہے، کیونکہ یہ نسبت اس کے بارے میں درست ہو گی، جس کے ہاں ابھی تک ارادہ اور خواہش باقی ہے، اللہ تعالیٰ کا اپنے بندے کے ساتھ وعدہ ان حالات میں اس شخص کی طرح ہے جو اپنے دل میں کسی کام کرنے کا ارادہ کرتا ہے اس کی نیت کر لیتا ہے لیکن پھر یہ ارادہ کسی دُوسرے کام سے تبدیل کر لیتا ہے، جیسے ناسخ و منسوخ کے متعلق اللہ تعالیٰ نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس وحی بھیجی:

مانسخ من اٰیۃٍ او ننسھا نأت بخیرٍ منھا او مثلھا الم تعلم

ان اللہ علیٰ کل شیءٍ قدیر[1]

(جب کوئی آیت ہم منسوخ فرمائیں یا بھلا دیں تو اس سے بہتر یا اس جیسی لے آئیں گے کیا تجھے خبر نہیں کہ اللہ سب کچھ کر سکتا ہے)

آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سوائے چند مقامات کے جو غزوۂ بدر کے قیدیوں سے متعلق ہیں تریدون عرض الدنیا واللہ یرید الاخرہ لولا کتابٌ من اللہ سبق لمسکم فیما اخذتم عذابٌ عظیم۔ ارادہ و خواہشات سے پاک تھے، آپ محبوب حق اور مراد الٰہی تھے، اس لیے آپ کو ایک حالت ایک وعدے اور ایک مقام پر نہیں چھوڑا گیا بلکہ آپ کو تقدیر کی طرف لے جایا گیا اور تقدیر کی عنان آپ کے سپرد کر دی گئی، اور تقدیر میں آپ کو موکر دیا گیا، اور آپ کو اطلاع دی گئی الم تعلم ان اللہ علیٰ کل شیءٍ قدیر۔

یعنی آپ تقدیر الٰہی کے سمندر میں ہیں اور اس کی موجوں میں ادھر سے اُدھر تیر رہے ہیں خوب سمجھ لیجئے کہ ولی کے مراتب کی انتہا نبی کے مدارج کا آغاز ہے ولایت و ابدالیت سے اُوپر نبوت ہی کا درجہ ہے!

(۵۷) قبض و بسط

سب احوال قبض ہیں کیونکہ ولی ان کی حفاظت پر مامور ہوتا ہے اور جس چیز کی حفاظت کا حکم ہو وہ قبض ہے البتہ تقدیرِ خداوندی پر رضامندی سراپا بسط ہے، اس لیے کہ تقدیر پر صبر و رضا کے علاوہ وہاں کوئی دوسری ایسی چیز ہے ہی نہیں جس کی حفاظت کا حکم دیا جائے، لہٰذا ولی کو چاہیے کہ وہ تقدیر کے متعلق کسی قسم کی بے صبری کا مظاہرہ نہ کرے بلکہ اس کی موافقت کرے اور ہر قسم کے حالات چاہے وہ موافق ہوں یا مخالف، ان پر کسی قسم کا اعتراض نہ کرے، تمام احوال محدود ہیں اس لیے ان کے حدود کی حفاظت کا حکم دیا گیا ہے اور فعلِ الٰہی جو تقدیر ہے اس کی تو کوئی حد نہیں جس کی حفاظت کی جائے، اور مقامِ قدر و فعل و بسط میں بندے کے داخل ہونے کی علامت یہ ہے کہ نفس کی لذتوں کے ترک کر دینے کے حکم کے بعد اسے ان کے سوال کرنے کا حکم دیا جاتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ جب اس کا باطن حظوظ سے خالی ہوا تو

---

[1] بقرہ : ۲۰۱

اس میں رب کے سوا کچھ باقی نہ رہا، اس وقت بندہ حالتِ بسط میں ہوتا ہے اور جو چیزیں اس کی قسمت میں ہیں یا سوال و دُعا کے ذریعے جو چیزیں اُسے ملنی ہیں، ان کے متعلق سوال اور خواہش کا اُسے حکم دیا جاتا ہے تاکہ بارگاہِ الٰہی میں اس کی قدر و منزلت اور اس کی دعا کی قبولیت پر اللہ تعالیٰ کا احسان ثابت ہو جائے قسمت کی عطا کے سوال کے متعلق زبان کھولنا زیادہ تر قبض کے بعد بسط اور احوال سے حاصل کرے، کیونکہ وُہ اپنے حصّے سے تجاوز نہیں کر سکتا، اور نہ ہی اپنے حصّے کے حصول سے پہلے اس دنیا سے رخصت ہو سکتا ہے چنانچہ وہ تمام حالات میں مباح اور حلال کی سواری پر سیر کرتا ہے یہاں تک کہ اس کے ذریعے وہ آستانِ ولایت تک پہنچ جاتا ہے اور وہ محققین، اصحابِ عزیمت اور محبانِ خدا کے پاکیزہ گروہ میں شامل ہو جاتا ہے اس وقت وہ اپنے باطن میں خدا کی طرف سے آواز سُنتا ہے کہ اپنے نفس کو چھوڑ! اور آجا! اگر خالق کا طلبگار ہے تو خواہشاتِ نفس اور مخلوق کو چھوڑ دے اور دنیا و آخرت کے غلاف سے اتار پھینک، اور تمام ہستی اور موجودات اور آئندہ پیدا ہونے والی ساری چیزوں سے بے نیاز ہو جا! اپنی تمام خواہشات اور علائق سے بے نیاز اور ہر چیز سے نیست ہو جا! شرک سے بچ کر توحید اور ارادۂ خالص پر قناعت کر! پھر خاموشی سے ادب کے ساتھ سر جھکا کر منازلِ قرب میں آجا! دائیں طرف یعنی آخرت کی جانب اور بائیں طرف یعنی مخلوقِ دنیا اور خواہشات نفس کی جانب ہرگز نہ دیکھ، جب بندہ اس مقام پر پہنچ کر قرار حاصل کر لیتا ہے، تو اس کے پاس اللہ کی طرف سے خلعتیں نازل ہوں گی، جو علوم و معرفت کے انوار اور قسم قسم کے فضل و نعمتوں سے اسے ڈھانک لیں گی! اس وقت اُسے کہا جائے گا کہ اللہ کی نعمت و فضل سے بہرہ ور ہو! اُسے رد کرنے اور اس کی قدر دانی نہ کرنے کی وجہ سے بے ادبی نہ کر! کیونکہ شاہی نعمت کے رد کرنے میں بادشاہ کی توہین اور اس کی حکومت کا استخفاف ہے اس مقام پر بندہ اپنے آپ کو فنا کر کے فضل اور قسمتِ خداوندی سے واصل ہو جاتا ہے، اس سے پہلے بندہ اپنی خواہشِ نفس کے چکر میں پھنسا رہتا تھا، چنانچہ اس وقت اسے کہا جاتا ہے کہ نعمت اور فضلِ خداوندی سے اپنا حصہ لے لو! پھر قسمت اور مقدر کے حاصل کرنے میں بندے کی چار حالتیں ہیں، پہلی طبیعت کی خواہش سے لے اور یہ حرام ہے دُوسری شریعت کے حکم سے

یہ مباح اور حلال ہے ، تیسری باطنی حکم سے لے ، یہ حالتِ ولایت اور ترکِ خواہش کی صورت ہے ، چوتھی فضلِ الٰہی سے لے اور یہ ارادے کے زوال ، ابدالیت کے حصول ، بندے کے مقام محبوبیت پر فائز ہونے اور تقدیر جو فعلِ حق ہے کے ساتھ قائم رہنے کی حالت ہے ، اور یہی علم اور نیکی سے متصف ہونے کی حالت ہے پس درحقیقت جس کی رسائی اس مقام تک ہو جاتی ہے وہی صالح قرار پاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے اس قول کا بھی یہی معنیٰ ہے کہ:

ان ولیّ اللہ الذی نزل الکتاب وھو یتولی الصالحین[1]

(بے شک میرا والی اللہ ہے جس نے کتاب اتاری اور وہ نیکوں کو دوست رکھتا ہے)

ثابت ہوا کہ صالح وہی شخص ہے جس کا ہاتھ اپنی مصلحت و منفعت کے حاصل کرنے اور ضرر و نقصان کے دفع کرنے سے اس طرح رُک گیا ، جیسے دایہ کے ہاتھ میں شیرخوار بچے اور غسال کے ہاتھوں میں مُردے کا ہاتھ بند ہوتا ہے ، اس مقام پر بندے کی تدبیر و اختیار کے بغیر خود دستِ قدرت اس کی پرورش کا ذمہ دار ہو جاتا ہے ، وہ تمام چیزوں سے بے نیاز ہوتا ہے ، اس لیے اس کا کوئی حال ہوتا ہے اور نہ مقام اور نہ ارادہ بلکہ وُہ اپنے آپ کو تقدیر کے سپرد کر دیتا ہے جو کبھی اسے بسط اور قبض میں اور کبھی دولت مندی اور محتاجی میں پھراتی رہتی ہے ، وہ ان حالات کے زوال یا ان میں کسی قسم کے تغیر کی آرزو تک نہیں کرتا ، بلکہ تقدیر کے ساتھ دائمی رضامندی اور ابدی موافقت کے رتبے پر فائز ہوتا ہے اور یہ اولیاء اور ابدالوں کے مقامات میں سے بلند ترین درجہ ہے۔

(۵۸) تمام اطراف سے صرفِ نظر

جب بندہ مخلوق ، خواہشاتِ نفس اور دنیا و آخرت کی خواہشات سے مبرا ہو جاتا ہے اور خدائے بزرگ و برتر کے سوا اس کا کوئی مقصود نہیں ہوتا ، یہ ساری چیزیں اس کے دل سے نکل جاتی ہیں تو وہ اللہ سے واصل ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ اسے مقبول اور برگزیدہ بنا لیتا ہے اور مخلوق کے دل میں اس کی محبت پیدا کر دیتا ہے چنانچہ وُہ تمام مخلوق کے علاوہ خود اپنی ذات سے

---

[1] سورۃ الاعراف : ۷ ، آیت : ۱۹۶

بھی مستغنی ہوجاتا ہے اس مقام پر وہ محتاجی اور تونگری کو بھی کوئی اہمیت نہیں دیتا۔

(۵۹) مصائب پر صبر اور نعمت پر شکر

تو دو صورتوں سے خالی نہیں یا مصیبت و آزمائش کی حالت میں ہوگا یا نعمت کی حالت میں! اگر مصیبت و آزمائش کی حالت ہے تو تجھ سے اگرچہ بہ تکلف ہی کیوں نہ ہو صبر کا مطالبہ کیا جائے گا، مگر یاد رہے کہ یہ ادنیٰ اور معمولی بات ہے صبر کرنا اس سے بلند مرتبہ ہے۔ اس کے بعد موافقت اور پھر فنائیت ابدالوں، عرفا اور علما کا حال ہے اور اگر نعمت کی حالت ہے تو اس پر شکر ادا کرنا ضروری ہے اور شکر زبان، دل اور اعضا و جوارح تمام سے ادا ہوتا ہے زبان کے ساتھ شکر ادا کرنے کے معنی یہ ہیں کہ تہ دل سے اس بات کا اعتراف کرے کہ نعمت خدا ہی کی طرف سے ہے اور اس میں اپنی ذات اور مخلوق، کسب و ہنر اور قوت و طاقت کا کوئی تعلق نہیں، کیونکہ تو خود اور یہ ساری چیزیں نعمت کے اسباب اور وسائل ہیں، نعمت کو پیدا کرنے والا، اسے تقسیم کرنے والا، اور اس کا مسبب وہی خدائے بزرگ و برتر ہے، جب تقسیم اور پیدائش اسی کے ہاتھ میں ہے تو اس کے علاوہ کوئی دوسرا کس طرح شکر اور حمد کے لائق ہوسکتا ہے، ظاہر بات ہے کہ ہدیہ لانے والے غلام کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی بلکہ ہمیشہ ہدیہ بھیجنے والے مالک پر ہی نظر کی جاتی ہے، جنہیں یہ بصیرت حاصل نہیں ہے ان کے متعلق اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

يعلمون ظاهرًا من الحيوة الدنيا وهم عن الآخرة هم غفلون۔[1]

(جانتے ہیں آنکھوں کے سامنے کی دنیوی زندگی اور وہ آخرت سے پورے بے خبر ہیں)

جس شخص کی نظر صرف ظاہر اور اسباب پر اٹک گئی اور اس کی حقیقت و معرفت پر دھیان نہ دیا وہ جاہل، بے وقوف اور نالائق ہے۔ عاقل کو عاقل اسی لیے کہا جاتا ہے کہ اس کی نظر ہمیشہ انجام کار پر ہوتی ہے، دل سے شکر ادا کرنے کا مفہوم یہ ہے کہ پختہ دلی کے ساتھ

---

[1] روم: ۳۰، آیت: ۷

اس بات کا ہمیشہ یقین اور اعتماد رکھے کہ میری ہر موجود چیز، ظاہری و باطنی نعمتیں، لذات اور منفعتیں اور تمام حرکات و سکنات اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے ہیں، زبان سے شکر در اصل دل کی ترجمانی کرتا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وما بکم من نعمۃٍ فمن اللہ [1]

"اور تمہارے پاس جو نعمت ہے سب اللہ کی طرف سے ہے۔"

ایک اور مقام پر فرمایا:

واسبغ علیکم نعمہ ظاھرۃً وباطنہ۔

(اور تمہیں بھرپور دیں اپنی نعمتیں ظاہر اور چھپی) [2]

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

وان تعدوا نعمۃ اللہ لا تحصوھا۔ [3]

(اور اگر اللہ کی نعمتیں گنو تو شمار نہ کر سکو)

ان دلائل سے ثابت ہوا کہ کسی مومن کے لیے اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی نعمت عطا کرنیوالا نہیں ہے، رہا اعضا و جوارح سے شکر! تو یہ اس طرح ادا ہوگا کہ اعضاء و جوارح کی ہر حرکت اطاعت الٰہی کے تحت ہو، اس میں غیر اللہ کا کوئی دخل نہ ہو، جس چیز میں اللہ تعالیٰ کی معصیت اور نافرمانی ہو اس میں مخلوق کو کوئی وقعت نہ دے اور یہ قاعدہ نفس، خواہشات، ارادہ و آرزو اور تمام مخلوق سب کے لیے ہے، اطاعتِ الٰہی کو اصل، اساس اور منزل قرار دے اور دوسری باتوں کو فروعی، عارضی اور ثانوی حیثیت دے، اچھی طرح جان لے کر اس کی مخالفت سے تو ظالم، راہِ ہدایت سے دُور، اور اللہ کے احکام جو اس نے اپنے نیک بندوں کے لیے مقرر فرمائے ہیں، کی خلاف ورزی کرنے والوں میں شامل ہو جائے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

---

[1] سورۃ نحل: ۱۶، آیت ۵۳

[2] سورہ لقمان: ۳۱، آیت: ۲۰

[3] سورۃ ابراہیم: ۱۴، آیت: ۳۴

وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ [1]

(اور جو اللہ کے اتارے پر حکم نہ کرے وہی لوگ کافر ہیں)

ایک دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا:

وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ [2]

(اور جو اللہ کے اتارے پر حکم نہ کرے تو وہی لوگ ظالم ہیں)

ایک اور آیت [3] میں فاولئك هم الفسقون فرمایا گیا ہے۔

اس وقت تیرا انجام دوزخ ہوگا جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں، حالانکہ تو دنیا میں معمولی سے بخار اور آگ کی ذرا سی چنگاری کی تپش برداشت نہیں کر سکتا، پھر آخر دوزخ میں ہمیشہ کے لیے کس طرح صبر کر سکے گا، بچ بچ! خبردار! دونوں حالتوں اور ان کی شرائط کی حفاظت کر! کیونکہ ساری زندگی ان دو حالتوں بلا یا نعمت میں سے ایک کے ساتھ ضرور تیرا واسطہ رہے گا، جس طرح میں نے ہر حالت تفصیل کے ساتھ تیرے سامنے بیان کر دی ہے تو صبر و شکر کے ساتھ ان کی تکمیل کر! خیال رہے کہ آزمائش اور مصیبت کی حالت میں مخلوق کے سامنے کوئی شکوہ ہو اور نہ کسی قسم کی بے قراری کا اظہار! اور اپنے دل میں بھی اپنے رب پر تہمت نہ دھر! اس کی حکمت اور دنیا و آخرت میں تیرے لیے بھلائی جو اس کی سنت ہے اس میں شک و شبہ کو راہ نہ دے، اسی طرح ضرر و نقصان سے بچنے کے لیے بھی غیر کی طرف نہ دیکھ! کیونکہ یہ اللہ کے ساتھ شرک ہے، اللہ تعالیٰ کے ملک میں کوئی شخص کسی چیز کا مالک نہیں ہے، اور نہ ہی ذاتِ باری کے سوا کوئی نفع و نقصان، بیماری و تندرستی اور خوشی و غمی کا مالک ہے، مخلوق سے ظاہری اور باطنی دونوں طرح سے بے نیاز ہو جا! کیونکہ مخلوق تجھے راہِ خدا میں کوئی فائدہ نہ دے گی، صبر و رضا، موافقت اور تقدیرِ خداوندی کے سامنے سرِ تسلیم خم ہونے کی عادت اختیار کر! اگر تجھے یہ چیزیں نصیب نہ ہو سکیں تو پھر بارگاہِ خداوندی میں عاجزی و زاری، گناہوں کے

---

[1] سورۃ المائدہ: ۵، آیت ۴۴

[2] ایضاً، آیت: ۴۵

[3] ایضاً، آیت: ۴۷

اعتراف، اور نفس کی برائی کی جزا کے لیے اپنے آپ کو تیار کر! اللہ تعالیٰ کی نعمت پر اس کی تقدیس اور توحید کا اقرار، شرک سے اجتناب، صبر و رضا اور طلب موافقت کو ضروری جان!
یہاں تک کہ نوشتۂ تقدیر مکمل ہو جائے، مصیبت ٹل جائے اور نعمت و فرحت، مسرت اور خوشی کا دور دورہ ہو جائے، جیسے حضرت ایوب علیہ السلام کے ساتھ ہوا تھا! یا جس طرح رات کی تاریکی کے بعد دن کی روشنی اور سردی کی ٹھنڈک کے بعد بہار آتی ہے، کیونکہ ہر چیز کی ایک ضد، عکس، غایت، انتہا اور مقررہ مدت ہے، پس صبر اس کی کنجی اور ابتداء و انتہا اور کمال ہے،
حدیث میں آیا ہے:

"ایمان میں صبر کا وہی درجہ ہے جو جسم میں سر کا ہوتا ہے۔"

اور ایک حدیث میں ہے کہ: "صبر ہی مکمل ایمان ہے۔"
اور کبھی شکر اختلاطِ نعمت سے ہوتا ہے۔ یہ نعمتیں اللہ تعالیٰ کی عنایات ہیں، جو تیری قسمت میں مقدر ہیں، شریعت کی پابندی اور حفاظت، اور خواہشاتِ نفس کے مٹانے اور اپنی قسمت پر قانع ہونے ہی کا نام شکر ہے، یہ ابدالوں کا مرتبہ ہے اور بلند ترین مقام ہے، جو کچھ میں نے بیان کیا اس سے نصیحت حاصل کر، اِن شاء اللہ تجھے راہِ ہدایت نصیب ہوگی۔

(۶۰) ابتداء و انتہاء

راہ سلوک کی ابتداء بندے کا طبعی عادات سے نکل مشروع چیزوں کی طرف آنا ہے، پھر مقدور الٰہی کی طرف پھرنا اور اس کے بعد شریعت کی حدود کی حفاظت کے ساتھ طبعی عادت کی طرف لوٹنا ہے، اس کا مقصد یہ ہے کہ تو اپنی طبعی عادتوں مثلاً کھانے پینے، لباس و نکاح اور دوسری طبعی خواہشات سے شرع کے احکام کی طرف نکل آئے، کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کا پیروکار بن جائے، اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وما اٰتکم الرسول فخذوہ وما نھٰکم عنہ فانتھوا[1]

(اور جو کچھ تمہیں رسول عطا فرمائیں وہ لو اور جس سے منع فرمائیں باز رہو)

---

[1] سورۃ الحشر: ۵۹، آیت ۷

دوسرے مقام پر ارشاد ہے:

قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ[1]

(اے محبوب! تم فرما دو کہ لوگو اگر تم اللہ کو دوست رکھتے ہو تو میرے فرمانبردار ہو جاؤ اللہ تمہیں دوست رکھے گا)

اس کے بعد تو اپنے ظاہر و باطن میں خواہشاتِ نفس اور اس کی سرکشی سے بے نیاز کر دیا جائیگا۔ اس وقت تیرا باطن توحیدِ الٰہی سے سرشار اور تیرا ظاہر عبادت و طاعتِ الٰہی سے آراستہ و پیراستہ ہوگا، اور یہ ہر حرکت و سکون، سختی و نرمی، سفر و حضر، صحت و بیماری، رات اور دن الغرض ہر حال میں تیرا طریقہ، مسلک اور اندر و باہر کا جامہ بن جائے گا، اس مقام پر تجھے میدانِ قدر کی طرف اٹھا لیا جائے گا، اور قضا و قدر کا تجھ میں تصرف ہو جائے گا اور یہاں تیری جد و جہد اور کسب و قوت فنا ہو کر رہ جائے گی، اور تجھے وہ حصّے بھی عطا ہوں گے جو علم الٰہی کے مطابق ازل سے تیرا مقدر ہیں، تو ان حصّوں سے بہرہ ور ہوگا اور تجھے حفظ و سلامتی عطا کی جائے گی، اور حدود و شریعت کی نگہبانی ہو گی، فعل الٰہی میں موافقت نصیب ہو گی، زندقہ، حرام کو جائز سمجھنے اور حکمِ خداوندی کی پروا نہ کرنے ایسے گناہ کا صدور تجھ سے نہ ہو گا۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

انا نحن نزلنا الذکر و انا لہٗ لحافظون۔[2]

(بے شک ہم نے اتارا ہے یہ قرآن اور بے شک ہم خود اس کے نگہبان ہیں)

دوسرے مقام پر ارشاد ہے:

کذلک لنصرف عنه السوء والفحشاء انه من عبادنا المخلصین[3]

(ہم نے یوں ہی کیا کہ اس سے برائی اور بے حیائی کو پھیر دیں بے شک وہ ہمارے چنے ہوئے بندوں میں سے ہے)

---

[1] سورۃ آل عمران: ۳، آیت: ۳۱ [2] سورۃ الحجر: ۱۵، آیت: ۹

[3] سورۃ یوسف: ۱۲، آیت: ۲۴

اللہ تعالیٰ کی رحمت سے آخر دم تک حمیت اور حفاظت کا دامن تیرے ہاتھ سے نہ چھوٹے گا تیرے جو حصے مقرر ہیں وہ طبیعت کے میدانوں، خواہشات و عادات کے بیابانوں اور راہِ خدا میں تیرے سیر و سفر کے دوران تجھ سے روک لیے گئے ہیں کیونکہ وہ بارِگراں ہیں، اس لیے تجھ سے دُور کر دیئے گئے ہیں تاکہ وہ تجھے بوجھل اور شکستہ نہ کر دیں! اور فنا کے آستان تک پہنچتے پہنچتے یہ بوجھ تجھے تیرے مقصود و مطلوب سے بھٹکا نہ دے اور یہ فنا ہی قربِ الٰہی کا موجب، اس کی معرفت کا باعث اور اس کے اسرار اور علوم لدنیہ کے حصول کا سبب ہے، اور یہ ایک ایسا نورانی سمندر ہے کہ طبیعت کی تاریکی جس کے انوار کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتی، پھر جب تک رُوح جسم سے جُدا نہیں ہو جاتی طبیعت اپنا حصہ لینے کے لیے مضطرب باقی رہتی ہے کیوں کہ اگر طبعی تقاضے انسان میں باقی نہ رہیں تو وہ فرشتوں میں شامل ہو جائے، سارا نظام درہم برہم اور حکمتِ الٰہی باطل ہو جائے، اس لیے طبعی تقاضے تیرے اندر باقی رہے تاکہ اپنے حصوں اور خواہشات کو حاصل کرے، البتہ اس مقام پر طبعی تقاضوں کا باقی رہنا حقیقتاً نہیں بلکہ محض وظیفے کے طور پر ہوگا۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: تمہاری دنیا میں سے تین چیزوں کی محبت میرے دل میں ڈالی گئی ہے، خوشبو، نساء اور نماز جو میری آنکھوں کا سرور اور ٹھنڈک ہے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا و ما فیہا سے بے نیاز ہو گئے تو راہِ خدا کی سیر میں آپ کو وہ مقامات عطا کیے گئے جو آپ کے لیے ابھی تک باقی تھے، چنانچہ فعل حق پر رضامندی، حق کی موافقت اور احکامِ الٰہی کے امتثال کے تحت آپ نے یہ مقامات حاصل کر لیے، اللہ تعالیٰ کے نام پاک اور اس کی رحمتیں عام ہیں، اس کا فضل تمام انبیاء و اولیاء کو شامل ہے۔ اس بارے میں ولی کا بھی یہی حال ہے کہ فنائیت (استغنا) کے بعد اسے اس کے حصے شرع کی حدود کی حفاظت کے ساتھ عطا کیے جاتے ہیں، واضح رہے کہ انتہا سے آغاز کی طرف رجوع کے یہی معنیٰ ہیں۔

(۶۱) مراتبِ ورع و تقویٰ

ہر مومن اپنے مقدر کا حصہ لینے اور اسے قبول کرنے کے سلسلے میں توقف اور تحقیق کا پابند ہے یہاں تک کہ شریعت مطہرہ اس کے جائز اور علم اس کے متعلق اسی کا نصیب اور

مقسوم ہونے کی گواہی دے دے، جیساکہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ مومن کی شان یہ ہے کہ وُہ ہر آنے والی چیز (جائز یا ناجائز ہونے) کے متعلق کھوج لگاتا ہے، لیکن منافق اسے فوراً قبول کرلیتا ہے، اسی طرح آپ کا فرمان ہے کہ مومن (کسی بھی چیز کے لینے میں) توقف کرتا ہے۔ ایک دوسری حدیث میں آپ کا ارشاد ہے کہ جو چیز تجھے شک میں ڈالے اُسے چھوڑ دے اور جو شک و شبہ سے پاک وصاف ہو اسے قبول کر! مومن اپنے مقسوم کی ہر چیز ماکول و مشروب، لباس و نکاح تک کے قبول کرنے میں بھی توقف کرتا ہے، اگر مومن تقویٰ کے مقام پر فائز ہے تو جب تک ظاہر شریعت ان چیزوں کے قبول کرلینے کا اسے حکم نہ دے وہ ہرگز نہیں لیتا، اور اگر مومن مقامِ ولایت میں ہے تو اس بارے میں وہ باطنی حکم اور اشارے کے مطابق فیصلہ کرتا ہے اور اگر وہ اس سے ورے مقام غوثیت و ابدالیت میں ہے تو وُہ ان چیزوں کے متعلق علم یا فعل الٰہی یعنی تقدیر محض کے حکم کے مطابق چلے، واضح رہے کہ حالتِ ابدالیت و غوثیت حالتِ فنا ہے، پھر اس پر دوسری حالت آتی ہے اس میں اس کا مقسوم کھل جاتا ہے اور اسے ملنے لگتا ہے تو جب تک شریعت یا باطنی حکم یا علم اسے نہ روکے وہ لیتا رہتا ہے، اور اگر ان میں سے کوئی چیز اسے ان کے قبول کرنے سے روکتی ہے تو وُہ رُک جاتا ہے اور اسے چھوڑ دیتا ہے، یہ صورت پہلی کے برعکس ہے، پہلی حالت میں توقف اور انتظار کا غلبہ تھا جبکہ دُوسری میں اسے قبول کرلینا اور لے لینا غالب ہے۔ اس کے بعد تیسری حالت آتی ہے اس میں مذکورہ تینوں چیزوں میں سے کسی قسم کا اعتراض کیے بغیر، مقسوم میں آنے والی چیزوں کا قبول کرنا اور لے لینا ہے اور یہی حقیقتِ فنا ہے، مومن اس حالت میں سب آفات سے محفوظ رہتا ہے اور حدودِ شریعت سے تجاوز سے بھی بچ جاتا ہے اور ہر قسم کی برائیوں سے محفوظ و مصئون ہوجاتا ہے جیسے فرمانِ خداوندی ہے:

كذٰلك لنصرف عنه السوء والفحشاء انه من عبادنا المخلصين۔[1]

(ہم نے یُوں ہی کیا کہ اس سے بُرائی اور بے حیائی کو پھیر دیں بے شک وُہ ہمارے چُنے ہوئے بندوں میں سے ہے)

---

[1] سورۃ یوسف: ۱۲، آیت: ۲۴

اس وقت بندہ حدودِ شریعت کی حفاظت کی وجہ سے اس غلام کی طرح ہو جاتا ہے جسے مالک اپنی اجازت سے تمام امور سونپ دیتا ہے اور وہ مباحات میں مطلق العنان ہو جاتا ہے اور بھلائیاں اسے گھیر لیتی ہیں اور اسے اس کا مقسوم دنیا و آخرت میں آفات اور کدورتوں سے پاک اور ہر قسم کی آلائشوں سے صاف اور ارادہ و رضا اور فعل الٰہی کے موافق ہو کر ملتا ہے، اولیاء اللہ کیلئے اس سے بلند تر کوئی مرتبہ نہیں، یہ آخری مقام ہے، اور یہی وہ مقام ہے جس میں اولیاء میں سے معزز ترین خالص مخلص اور صاحبِ اسرار لوگ فائز ہیں، گویا اس مقام پر یہ لوگ انبیاء علیہم السلام کے مراتب و منازل کے آستانوں تک پہنچ گئے۔ ان سب پر اللہ کی رحمتیں نازل ہوں۔

(۶۲) محبت اور اُس کے آداب

تعجب ہے تو اکثر کہتا ہے کہ "فلاں شخص مقرب ہو گیا اور میں دُور ہوں، اسے عطا و بخشش سے نوازا گیا ہے اور میں محروم ہوں، فلاں شخص دولت مند ہے اور میں محتاج ہُوں، فلاں تندرست ہے اور میں بیمار ہوں، فلاں معزز ہے اور میں حقیر ہوں، فلاں شخص کی نیک شہرت ہے اور میری مذمت اور برائی کی دھوم ہے، فلاں راست باز ہے اور مجھے دروغ گو خیال کیا جاتا ہے۔"

تجھے معلوم نہیں کہ اللہ واحد ہے اور وہ محبت میں یکتائی ہی کو پسند کرتا ہے، جو اس کی محبت میں منفرد ہو اُسے دوست رکھتا ہے، اگر اللہ تعالیٰ غیر کے ذریعے اپنے فضل و نعمت کی توفیق ارزانی کرے تو اس سے تیری محبت کم ہو کر بٹ جائے گی، کیونکہ جس شخص کے ہاتھ سے کوئی نعمت ملتی ہے بسا اوقات دل میں اس کی محبت پیدا ہو جاتی ہے، اس طرح محبت الٰہی میں کمزوری پیدا ہو گی، اور اللہ تعالیٰ تو ایسا غیور ہے جو کسی شریک کو پسند کرتا ہے اور نہ غیر کے ہاتھوں کو تیری امداد یا اس کی زبان کو تیری تعریف و توصیف یا اس کے پاؤں کو تیری طرف آنے کو پسند کرتا ہے، تاکہ اس کے باعث تو خدا سے منہ نہ پھیر لے، کیا تُو نے آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نہیں سُنا کہ:

"دل طبعاً اس طرح ہیں کہ اپنے محسن کو دوست اور برائی کرنے والوں کو دشمن رکھیں۔"

اس لیے اللہ تعالیٰ مخلوق کو تجھ پر ہر قسم کے احسان سے باز رکھتا ہے، یہاں تک کہ تو دل سے اس کی وحدانیت کا قائل ہو کر اس سے محبت کرنے لگے، اور اپنے ظاہر و باطن، حرکات و سکنات میں اللہ ہی کا ہو کر رہ جائے، ہر قسم کی بھلائی اور بُرائی کا سرچشمہ اسی کی قدرت کو خیال کرے، اور مخلوق و نفس، خواہش و ارادہ بلکہ تمام ماسوی اللہ سے فانی ہو جائے، پھر تیرے لیے بخشش و عطا اور وسعت و فراوانی اور تعریف و توصیف کی زبانیں کھول دی جاتی ہیں، اس مقام پر تو ہمیشہ ناز و نعمت میں رہے گا، بس! بے ادبی سے بچ! اسی ذات کی طرف دیکھ جس کی نظرِ رحمت تجھے سایہ کیے ہوئے ہے، اسی کی طرف توجہ کر جس کا فضل تیری جانب متوجہ ہے، اسی کے ساتھ دوستی کا ہاتھ بڑھا جو تجھے دوست رکھتا ہے، اُسے جواب دے جو تجھے بُلا رہا ہے، اور اپنا ہاتھ اس کے دستِ قدرت میں دے جو تجھے گرنے سے تھامنے کے لیے بے تاب ہے، اور تجھے جہل کی تاریکیوں اور ہلاکت کے اندھیروں سے نکالنے کی فکر میں ہے، نجاست اور آلائش سے پاک کرتا ہے، نفس اور اس کی خواہشات نفسِ امّارہ کی برائیوں راہِ ہدایت سے گمراہ کرنیوالے ساتھیوں، جاہل دوستوں، راہِ حق کے لٹیروں، اور ہر بہتر اور پاکیزہ چیز سے رکاوٹ کا باعث بننے والے شیاطین سے رہائی دیتا ہے، آخر کب تک طبعی عادات، مخلوق، خواہشات اور ماسوی اللہ کے چکر میں پھنسا رہے گا، کائنات کے خالق اور ہر شے کو وجود عطا کرنے والی ذات سے کب تک گریزاں رہے گا؟ اوّل و آخر، ظاہر و باطن، مرجع و ماویٰ اسی کی ذات قدس ہے قلوب و ارواح کی طمانیت و سکون، ہر قسم کے بار کی ذمہ داری، اور احسان و عطا بخشش و فضل سب اسی ذاتِ یکتا سے وابستہ ہیں۔

(۶۳) معرفت کی ایک قسم

میں نے خواب میں دیکھا گویا میں کہہ رہا ہوں "اے باطن میں اپنے نفس، ظاہر میں مخلوق اور عمل میں اپنے ارادے کے ذریعے خدا کے ساتھ شرک کرنے والے! ایک شخص جو میرے نزدیک موجود تھا کہنے لگا، یہ کیا بات ہے؟ میں نے کہا یہ معرفت کی ایک قسم ہے۔

(۶۴) زندگی جسے موت نہیں

ایک دن مجھے ایک امر نے تنگ کیا اور نفس اس کے دباؤ میں ہل گیا، آرام و سکون طلب کرنے اور اس تنگی سے پیچھا چھڑانے کی خواہش کرنے لگا، مجھے کہا گیا تو کیا چاہتا ہے؟ میں نے کہا ایسی موت چاہتا ہوں جس کے بعد زندگی نہ ہو، اور ایسی زندگی چاہتا ہوں جس میں موت نہ ہو مجھے کہا گیا وہ کون سی موت ہے جس کے بعد زندگی، اور وہ کون سی زندگی ہے جس کے بعد موت نہیں، میں نے جواب دیا کہ وہ موت جس کے بعد زندگی نہیں اپنی ہم جنس مخلوق سے اس طرح مرجانا ہے کہ ان سے کسی قسم کے نفع و نقصان کا خیال نہ ہو، اور انسان دنیا و آخرت میں اپنے ارادہ و خواہشات سے اس طرح نکل آئے گویا وہ ان کے لیے مرگیا ہے، رہی وہ زندگی جس میں موت نہیں تو یہ دائمی حیات ہے جس میں وجود تو باقی نہیں رہتا البتہ فضلِ خداوندی میں فنا ہو کر انسان حیاتِ سرمدی حاصل کرلیتا ہے، فعل خداوندی میں فنائیت کی موت ہی درحقیقت زندگی ہے، جب سے میں نے ہوش سنبھالی ہے میری سب سے اہم خواہش اور تمنا یہی تھی۔

(۶۵) قبولیتِ دُعا میں تاخیر کی حکمتیں

دعا کی قبولیت میں تاخیر پر اپنے پروردگار پر کیوں برہمی کا اظہار کرتا ہے؟ کہتا ہے کہ مخلوق سے سوال کرنا بھی حرام قرار دیا گیا ہے، اللہ سے سوال کرتا ہوں تو وہ قبول نہیں کرتا! ہم تجھ سے پوچھتے ہیں کہ تو آزاد ہے یا غلام؟ اگر کہے کہ میں آزاد ہوں تو یہ کفر ہے! اور اگر کہے کہ میں غلام ہوں تو پھر اجابتِ دُعا میں تاخیر کی وجہ سے اپنے مالک پر تہمت کیوں لگا رہا ہے؟ اس کا مقصد یہ ہے کہ تو نے اس کی رحمت اور حکمت جو تجھ سمیت ساری مخلوق پر جاری وساری ہے اور اس کے لیے ان تمام کے احوال کے علم میں شک کیا ہے؛ دوسری صورت یہ ہے کہ تو اپنے مالک پر کسی قسم کی تہمت کا ارتکاب نہیں کررہا بلکہ اس تاخیر میں اس کی حکمت اور مصلحت کو مضمر سمجھ رہا ہے، تو تیرے لیے اس کا شکر واجب ہے، کیونکہ آخر اس تاخیر کے سبب اس نے تیرے حسبِ حال تجھ سے فساد دُور کرکے نعمت اور بہتری پسند کی ہے، اس کے باوجود اگر تو

اس پر تہمت لگا رہا ہے تو تو کافر ہے! کیونکہ اس اتہام کی وجہ سے تو نے اس کی طرف ظلم کی نسبت کی ہے، حالانکہ وُہ اپنے بندوں پر ظالم ہے اور نہ ظلم کو پسند کرتا ہے بلکہ اللہ کے لیے ظلم کرنا محال ہے کیونکہ وُہ تیرا اور تیرے علاوہ ہر شے کا مالک ہے اور مالک کو اختیار ہے کہ وہ جس طرح چاہے اپنی ملکیت میں تصرف کرے، اسے کسی صورت میں بھی ظلم نہیں کہا جا سکتا، الغرض ظالم وُہ ہے جو دوسرے کی ملکیت میں اس کی اجازت کے بغیر تصرف کرے، لہٰذا اللہ تعالیٰ جو کچھ کرتا ہے اگرچہ وُہ بظاہر تیری مصلحت، طبیعت اور خواہش نفس کے خلاف بھی کیوں نہیں تجھے اس پر برہمی اور چون وچرا کی اجازت نہیں ہے، صبر و شکر اور موافقت و رضا اختیار کر، اور الزام تراشی، سرکشی، برہمی اور خواہش جو راہِ خدا سے گمراہ کرتی ہے، سے کنارہ کشی کر! ہمیشہ دُعا اور صدق دل سے التجا میں مصروف رہ! اللہ سے نیک گمان اور کشود کار کی اُمید رکھ! اس کا وعدہ سچا سمجھ اور اس سے شرم کر! اس کی تابعداری کر! اور اس کی توحید کی حفاظت کر، اس کے احکام کی بجا آوری میں جلدی کر! اور اس کی ممنوعات سے پرہیز کر! اور اس کی قدر و فعل کے جاری ہونے کے وقت اپنے آپ کو مُردہ سمجھ، اور اگر تہمت اور بدگمانی کے بغیر چارہ نہیں، تو پھر نفس پر تہمت لگانا زیادہ مناسب ہے جو رب کا نافرمان اور بُرائی پر اُکساتا ہے، اسی طرح پروردگار کی طرف ظلم کی نسبت کرنے سے نفس کی طرف ظلم کا انتساب کہیں زیادہ موزوں ہے، پھر ہر حال میں نفس کی تابعداری، دوستی اور اس کے قول و فعل پر راضی رہنے سے بچ! کیونکہ نفس اطاعت الٰہی کا مخالف اور خود تیرا دشمن ہے اور اللہ کے باغی اور تیرے دشمن شیطان مردود ملعون کا خاص دوست، نائب و جاسوس ہے اللہ سے ڈر! اللہ سے ڈر! پرہیز کر! پرہیز کر! جلدی کر! جلدی کر! نفس پر تہمت دھر اور ظلم کی نسبت بھی اسی کی طرف کر، اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان یاد رکھ:

مایفعل اللہ بعذابکم ان شکرتم و اٰمنتم [1]

(اور اللہ تمہیں عذاب دے کر کیا کرے گا اگر تم حق مانو اور ایمان لاؤ)

اور یہ ارشادِ باری سامنے رکھ:

---

[1] نساء: ۱۴۷

ذلك بما قدمت ایدیکم وان اللہ لیس بظلام للعبید[1]

(یہ بدلہ ہے اس کا جو تمہارے ہاتھوں نے آگے بھیجا اور اللہ بندوں پر ظلم نہیں کرتا)

اسی طرح یہ فرمانِ خداوندی بھی ملحوظ رہے:

ان اللہ لا یظلم الناس شیئاً ولکن الناس انفسھم یظلمون[2]

(بے شک اللہ لوگوں پر کچھ ظلم نہیں کرتا، ہاں لوگ ہی اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں)

ان کے علاوہ دوسری بے شمار آیات اور احادیث ہیں جو سامنے رکھنی چاہئیں، اللہ کی خاطر خواہشاتِ نفس کا دشمن، مخالف، اس پر حاوی اور صاحبِ حشمت و لشکر ہو جا! کیوں کہ نفس اللہ تعالیٰ کے دشمنوں میں سب سے بڑا دشمن ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام سے فرمایا ہے: داؤد! اپنی خواہشات ترک کر دے، کیونکہ میرے ملک میں خواہشات کے سوا مجھ سے کوئی جھگڑا کرنے والا نہیں ہے۔

(۶۶) کثرتِ دُعا باعثِ رحمت ہے

یہ نہ کہہ کہ میں اللہ سے دُعا نہیں کروں گا! کیونکہ جس چیز کے بارے میں سوال کروں گا اگر وُہ میری قسمت میں ہے تو خواہ سوال کروں یا نہ کروں، وُہ مجھے مل جائے گی اور اگر سرے سے وُہ چیز میری قسمت میں ہی نہیں تو وُہ دُعا سے بھی مجھے نہیں ملنے کی، بلکہ دنیا و آخرت کی ہر وُہ بہتر چیز جس کی تجھے ضرورت ہے بشرطیکہ وہ حرام یا فساد کا موجب نہ ہو اللہ تعالیٰ سے طلب کر! کیونکہ اللہ تعالےٰ نے تجھے سوال کرنے کا حکم اور اس کی ترغیب دی ہے، فرمایا:

ادعونی استجب لکم[3]

(مجھ سے دعا کرو، میں قبول کروں گا)

---

[1] آل عمران: ۱۸۲ [2] یونس: ۴۴ [3] مومن: ۶۰

دوسرے مقام پر فرمایا :

واسئلوا اللہ من فضلہٖ[1]

(اور اللہ سے اس کا فضل مانگو)

آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ :

"قبولیت کا یقین رکھتے ہوئے اللہ سے دعا کرو"

ایک اور حدیث میں آپ کا فرمان ہے کہ :

"دعا کے لیے بارگاہِ خداوندی میں دستِ دعا دراز کرو"

ان کے علاوہ اور بھی اسی مضمون کی کئی احادیث ہیں، کبھی یہ خیال نہ کر کہ چونکہ میرا سوال شرف قبولیت حاصل نہیں کرتا اس لیے میں سوال بھی نہیں کروں گا بلکہ ہمیشہ اس سے مانگتا رہ! اس لیے کہ وہ چیز اگر تیرا مقسوم ہے تو تیری دعا کے بعد تجھے عطا کر دی جائے گی، اس وقت یہ عطا تیری توحید میں استقامت، مخلوق سے بے نیازی، ہر حال میں بارگاہِ خداوندی کی طرف رجوع اور اسی ذاتِ قدس سے تمام حاجات کی روائی کا باعث بن کر ایمان و یقین میں اضافہ کرے گی، اور اگر وہ چیز تیرا مقسوم نہیں ہے تو اس سے بے نیازی اور حالتِ فقر[2] میں رضامندی کی دولت عطا کرے گا، اور اگر محتاجی اور مرض ہے تو تجھے اس میں بھی خوش رکھے گا، اگر قرض ہے تو قرض خواہ کو سختی سے نرمی اختیار کرنے یا تیری سہولت تک تاخیر کرنے یا معاف کرنے یا کم کر دینے پر مائل کر دے گا، ہاں یہ بھی ہو سکتا ہے کہ دنیا میں تو قرض تجھ سے ساقط نہ کیا جائے، لیکن تیرا سوال پورا نہ ہونے کی بنا پر آخرت میں تجھے ثوابِ عظیم عطا کر دے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نہایت کریم، بے نیاز اور رحمت والا ہے اپنے سائل کو دنیا و آخرت میں ناامید نہیں کرتا، اس کا فائدہ انسان کو ضرور پہنچتا ہے دنیا میں لے چاہے عقبیٰ میں، حدیث میں آیا ہے کہ مومن قیامت کے روز اپنے نامۂ اعمال میں ایسی نیکیاں دیکھے گا جنھیں اس نے دنیا میں کیا ہی نہیں تھا، بلکہ اسے ان کا علم

---

[1] نساء : ۳۲

[2] مصری نسخے میں یہاں بالقصص ہے جو بالکل غلط ہے صحیح بالفقر ہے۔

تک نہ ہوگا، اس وقت اس سے پُوچھا جائے گا کہ ان نیکیوں کے بارے میں تجھے کوئی علم ہے؟ تو وُہ انکار کرے گا! چنانچہ اسے بتایا جائے گا کہ یہ نیکیاں تیری ان دعاؤں کا بدلہ ہیں جو دنیا میں تُو مانگتا رہا ہے! خیال رہے کہ یہ نیکیاں کیوں بن جاتی ہیں، اس کی چند وجوہ ہیں، سوال میں بندہ اللہ کو یاد کرتا ہے، اس وقت خدا کی توحید کا تصور نکھر کر اُس کے سامنے ہوتا ہے، بندہ اس وقت مستحق دعا کے حقوق کی ادائیگی کر کے ایک چیز کو اپنے دائرہ کار میں ادا کر رہا ہوتا ہے، اور اپنی قوت و طاقت اور تکبر و بڑائی اور شرم کے مصنوعی پردوں سے نکل آتا ہے، یہ ساری باتیں نیک عمل ہیں، جن کا اللہ کے ہاں اجر و ثواب ہے۔

(۶۷) جہاد بالنفس

جس وقت تُو نے نفس سے جہاد کیا، اور مخالفت کی تلوار سے قتل کر کے اس پر غلبہ حاصل کر لیا تو اللہ تعالیٰ اسے زندہ کر دے گا، چنانچہ وُہ حرام و حلال چیزوں میں سے اپنی خواہشات کے مطابق پسندیدہ چیزیں طلب کرنے لگے گا اس وقت تجھے نفس کے ساتھ مجاہدہ کر کے اس پر غلبہ حاصل کرنا پڑے گا، تاکہ اللہ کے ہاں اس جدوجہد کا تجھے بہترین اجر دیا جائے، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان کے یہی معنیٰ ہیں کہ رجعنا من الجهاد الاصغر الى الجهاد الاكبر (جہادِ اصغر سے ہم اب جہادِ اکبر کی طرف لوٹے ہیں)۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں لذات و شہوات اور گناہوں میں نفس کے انہماک کے سبب اس سے مجاہدے کو جہادِ اکبر قرار دیا! فرمانِ خداوندی واعبد ربك حتّٰى ياتيك اليقين[1] (اور مرتے دم تک اپنے رب کی عبادت میں رہو) سے بھی یہی مراد ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عبادت کا حکم دیا، اور عبادت بجائے خود مخالفتِ نفس ہے کیونکہ نفس جملہ عبادات کا مخالف اور ان سے پیچھا چھڑانے پر مُصر ہوتا ہے، اگر یہاں شُبہ پیدا ہو کہ آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نفس مبارک کیونکر سرکشی کر سکتا ہے؟ حالانکہ آپ میں کوئی خواہش تک باقی نہیں تھی ما ينطق عن الهوىٰ

---

[1] الحجر: ۹۹

ان ھو الا وحی یوحٰی[1] (اور وہ کوئی بات اپنی خواہش سے نہیں کرتے وہ تو نہیں مگر وحی جو انہیں کی جاتی ہے) تو اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو مخاطب فرما کر روزِ قیامت تک آپ کی اُمت کے لیے اس حکم کو عام کر دیا اور حضور سے خطاب کر کے اسے ایک شرعی حکم کا درجہ عطا فرما دیا! اللہ تعالیٰ نے نفس اور خواہشات آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے محکوم بنا دیے، تاکہ یہ آپ کو کوئی ضرر نہ پہنچا سکیں، اور عام لوگوں کی طرح آپ کو مجاہدے کی ضرورت بھی باقی نہ رہے۔ جب مومن آخر دم تک نفس کے ساتھ مجاہدہ باقی رکھتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے اس حال میں جا کر ملتا ہے کہ نفس و خواہش کو قتل کرنے والی خون آلود تلوار اس کے ہاتھ میں ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ جنت میں اسے وہ ساری نعمتیں عطا فرماتا ہے جن کا وہ وعدہ فرما چکا ہے، ارشادِ خداوندی ہے:

واما من خاف مقام ربہ ونھی النفس عن الھوٰی فان الجنۃ ھی الماوٰی۔[2]

(اور وہ جو اپنے رب کے حضور کھڑا ہونے سے ڈرا، اور نفس کو خواہش سے روکا تو بے شک جنت ہی ٹھکانہ ہے)

جب اللہ تعالیٰ اسے جنت میں داخل کرے گا تو جنت اس کا گھر، قرارگاہ اور ٹھکانہ بنا دے گا، اور یہاں مومن جنت سے باہر نکلنے، کسی دوسری جگہ منتقل ہونے اور دنیا کی طرف لوٹنے سے محفوظ ہو جائے گا، جس طرح مومن دنیا میں ہر روز اور ہر ساعت نفس اور خواہشات سے نئے نئے مجاہدے کیا کرتا تھا، اسی طرح اللہ تعالیٰ ہر روز اور ہر ساعت، قسم قسم کی تازہ نعمتیں اور طرح طرح کے لباس اور بے شمار خوب صورت آراستگی کے سامان عنایت فرمائے گا، البتہ منافق، کافر، گنہ گار، جس طرح دنیا میں نفس و خواہشات کی اتباع اور شیطان کی پیروی میں مصروف تھے، اور کفر و شرک کے علاوہ طرح طرح کے گناہوں میں ملوث تھے اور اسی حالتِ کفر ہی میں بلا توبہ رخصت ہو گئے تو اللہ تعالیٰ انھیں اس آگ میں ڈالے گا جو کفار کے لیے تیار کی گئی ہے جس کے بارے میں ارشادِ خداوندی ہے:

---

[1] النجم: ۴　　[2] النّٰزعٰت: ۴۱

واتقوا النار التی اعدت للکافرین[1]

(اس آگ سے بچو جو کافروں کے لیے تیار رکھی ہے)

جس وقت یہ لوگ آگ میں داخل ہو جائیں گے تو آگ ان کا ٹھکانہ، مستقر اور گھر بن جائے گی۔ یہ نارِ دوزخ ان کے گوشت پوست کو جلا کر کھو دے گی! پھر انھیں نیا گوشت پوست ملے گا جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

کلما نضجت جلودھم بدلنٰھم جلوداً غیرھا[2]

(اور جب کبھی اُن کی کھالیں پک جائیں گی ہم ان کے سوا اور کھالیں انھیں بدل دیں گے)

اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور نفس و خواہشات کی اتباع کی وجہ سے ان لوگوں کے ساتھ یہ حشر ہُوا، اہلِ دوزخ کو تازہ عذاب اور تکلیف دینے کی خاطر ہر وقت نیا گوشت پوست ملے گا اور اہلِ جنت ہر آن نت نئی نعمتوں سے شاد کام ہو رہے ہوں گے، تاکہ اس مقام پر وُہ اچھی طرح لطف اٹھائیں، یہ انعامات دنیا میں جہاد بالنفس اور اُسے مغلوب کرنے کی وجہ سے ان لوگوں کو عطا ہوں گے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کہ "دنیا آخرت کی کھیتی ہے" کے یہی معنیٰ ہیں۔

(۶۸) کلّ یومٍ ہُوَ فی شان

جب اللہ بندے کی دُعا قبول کرتا ہے اور جو چیز وُہ طلب کرے اسے عطا کرتا ہے تو اس سے ارادۂ الٰہی میں کوئی فرق آتا ہے اور نہ نوشتۂ تقدیر ٹوٹتا ہے چونکہ اس کا سوال اپنے وقت پر اور مرادِ الٰہی کے مطابق ہوتا ہے، اس لیے قبول ہو جاتا ہے اور وقت مقدر میں جو چیز اس کے لیے ازل سے مقرر ہے، وقت آنے پر وُہ پوری ہو کر رہتی ہے جیسا کہ اہلِ علم نے اللہ کے فرمان کلّ یومٍ ھو فی شان کے بارے میں کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ مقدرات کو اوقاتِ مقررہ کے مطابق چلاتا ہے اور دنیا میں کسی کو صرف دُعا سے کوئی چیز دیتا ہے اور نہ کوئی چیز لوٹاتا ہے،

---

[1] آلِ عمران: ۱۳۱ [2] النساء: ۵۶

اور یہ جو حدیث شریف میں آیا ہے کہ :

"تقدیر کو دُعا کے سوا کوئی چیز نہیں بدلاتی ۔"

اس سے مراد بھی وہی تقدیر ہے جسے اس دُعا سے تبدیل ہونے کا حکم ہے، اور آخرت میں کوئی شخص صرف اپنے اعمال کی وجہ سے جنّت میں داخل نہ ہوگا بلکہ اللہ کی رحمت ہی اسے جنّت کا مستحق بنائے گی، البتہ جنّت میں اعمال درجات کی کمی بیشی کا سبب ضرور بنیں گے ، حدیث میں آیا ہے کہ ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ "کیا کوئی شخص محض اپنے عمل کی بدولت جنّت میں داخل ہوگا ؟

آپؐ نے فرمایا : نہیں بلکہ خدا کی رحمت سے جنّت میں داخل ہوگا ۔

اس پر انھوںؓ نے دریافت کیا کہ "یا رسول اللہ ! آپ بھی نہیں ؟

فرمایا : "میں بھی نہیں ، مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ مجھے اپنی رحمت میں ڈھانپ لے ۔" یہ فرما کر آپ نے اپنا ہاتھ مبارک سر پہ رکھ لیا ، اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ پر کسی کا کوئی حق نہیں ہے ، اور نہ وہ اپنے وعدے کے ایفا کا پابند ہے وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے جسے چاہے گا عذاب دے گا ، اور جسے چاہے گا بخش دے گا ، جس پر چاہے گا رحم کرے گا ، اور جسے چاہے گا نعمتوں سے نوازے گا' وہ جو کچھ چاہتا ہے کرتا ہے ، اس سے کوئی پرسش نہیں جبکہ مخلوق اس کے سامنے جواب دہ ہے ، جسے چاہتا ہے اپنی نوازش واحسان سے بے پایاں رزق عطا کرتا ہے ، اور جسے چاہتا ہے اپنے عدل وانصاف کا مظاہرہ کرتے ہوئے حسبِ حال دیتا ہے ، اور ایسا کیوں نہ ہو ، عرشِ عُلا سے تحت الثریٰ تک جو زمین کے ساتویں طبقے سے بھی نیچے ہے ساری مخلوق اسی کی مِلک اور اسی کی پیدا کردہ ہے ، اس کے علاوہ کوئی اس کا مالک ہے اور نہ خالق ، اس کا ارشاد ہے :

ءَ اِلٰہٌ مع اللہ [1]

(کیا اللہ کے ساتھ کوئی اور خدا ہے) اور

ھل من خالقٍ غیر اللہ [2]

(کیا اللہ کے سوا کوئی بھی خالق ہے) اور

---

[1] النمل : ۶۰ [2] فاطر : ۳

هل تعلم له سمیا[1]

(کیا اس کے نام کا دوسرا جانتے ہو)

ایک اور مقام پر ارشاد باری ہے:

قل اللّٰھم مالک الملک تؤتی الملک من تشاء و تنزع الملک ممن تشاء و تعز من تشاء و تذل من تشاء بیدک الخیر انک علیٰ کل شیء قدیر تولج الیل فی النھار و تولج النھار فی الیل و تخرج الحی من المیت و تخرج المیت من الحی و ترزق من تشاء بغیر حساب[2]

(یوں عرض کر اے اللہ ملک کے مالک! تو جسے چاہے سلطنت دے اور جس سے چاہے سلطنت چھین لے، اور جسے چاہے عزت دے اور جسے چاہے ذلت دے ساری بھلائی تیرے ہی ہاتھ ہے بے شک تو سب کچھ کر سکتا ہے تو دن کا حصہ رات میں ڈالے اور رات کا حصہ دن میں ڈالے اور مردہ سے زندہ نکالے اور زندہ سے مردہ نکالے، اور جسے چاہے بے گنتی دے)

(۶۹) بارگاہِ خداوندی سے سوال کے آداب

سابقہ گناہوں کی مغفرت اور حال و استقبال میں گناہوں سے عصمت کے سوا اللہ سے کچھ نہ مانگ، حسنِ طاعت، احکامِ الٰہی کی بجا آوری، نافرمانی سے بچنے، قضا و قدر کی سختیوں پر رضامندی، آزمائش میں صبر، نعمت و بخشش کی زیادتی میں شکر، خاتمہ بالخیر، اور انبیاء و صدیقین اور شہداء و صالحین ایسے بہترین رفقاء کی رفاقت کی توفیق طلب کر! اور اللہ تعالیٰ سے دنیا طلب کر اور نہ آزمائش و تنگ دستی کی بجائے تونگری و دولتمندی مانگ بلکہ تقدیر اور تدبیر الٰہی پر رضامندی کی دولت کا سوال کر! اور جس حال میں خدا نے تجھے رکھا ہے اس کی دائمی حفاظت

---

[1] مریم: ۶۵ [2] آل عمران: ۲۶

کی دُعا کر! کیوں کہ تجھے پتہ نہیں کہ ان میں سے تیری بھلائی کس چیز میں ہے؛ محتاجی اور تنگدستی میں یا دولت مندی اور تونگری میں؟ آزمائش میں یا عافیت میں؛ علمِ اشیاء اللہ نے تجھ سے مخفی رکھا ہے، ان کے مفاسد اور مصالح کے علم میں وُہ یگانہ ہے، حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، آپ نے فرمایا: مجھے اس بات کی کوئی پروا نہیں کہ میں کس حال میں صبح کروں گا آیا اس حال پر جسے میری طبیعت بُرا جانتی ہے یا اس حال پر جسے میری طبیعت اچھا سمجھتی ہے کیونکہ مجھے پتہ نہیں کہ میری بھلائی اور بہتری کس میں ہے؟ آپ نے یہ بات تدبیرِ خداوندی پر رضامندی کے اعلیٰ مقام کے حصول اور اللہ تعالیٰ کے اختیار اور حکم پر اطمینان و سکون نصیب ہونے کے سبب فرمائی، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

کتب علیکم القتال وھو کرہ لکم وعسیٰ ان تکرھوا شیئاً وھو خیر لکم وعسیٰ ان تحبوا شیئاً وھو شر لکم و اللہ یعلم و انتم لا تعلمون[1]

(تم پر فرض ہُوا خدا کی راہ میں لڑنا اور وہ تمہیں ناگوار ہے اور قریب ہے کہ کوئی بات تمہیں بُری لگے اور وُہ تمہارے حق میں بہتر ہو، اور قریب ہے کہ کوئی بات تمہیں پسند آئے اور وُہ تمہارے حق میں بُری ہو، اور اللہ جانتا ہے تم نہیں جانتے)

اس حالت پر اس وقت تک رہ! کہ تیری خواہش مٹ جائے اور نفس منکسر ذلیل مغلوب اور تیرا فرمانبردار ہو جائے تیری آرزو اور ارادے ختم ہو جائیں، تیرا دل تمام علائق سے خالی ہو جائے اور دل میں اللہ کے سوا کچھ باقی نہ رہے، تیرا دل محبت الٰہی سے معمور ہو جائے اور اللہ کی طلب میں تیرا ارادہ صادق ہو جائے اس وقت اذنِ الٰہی کے ساتھ دونوں جہان کی قسمت کے حصول کی طرف تیرا ارادہ پلٹے گا، اور تو اللہ سے اپنا حصّہ طلب کرے گا، اور یہ بھی حکمِ خداوندی کے امتثال اور اس کی موافقت میں ہوگا، اگر وہ عطا و بخشش کرے گا، تو تو شکر ادا کرے گا اور اُسے قبول کرے گا، اور اگر وُہ کچھ نہ دے تو اس پر برہمی کا اظہار کرے گا اور نہ دل میں کسی رنج و غصّے کو

---

[1] البقرہ: ۲۱۶

سرتاج ہونے کے باوصف آزمائش و ابتلاء کے اعتبار سے بھی سب سے سخت مقام پر تھے، چنانچہ آپ کا فرمان ہے کہ:

"خوفِ خدا کے اعتبار سے میں تم سب سے بڑھا ہوا ہوں اور راہِ خدا میں کسی کو اتنی تکلیف نہیں دی گئی جس قدر تکلیف مجھے اٹھانا پڑی ہے، ایک مہینہ کے شب و روز میں نے اس طرح گزارے کہ ہمارے پاس اس قدر کھانا بھی نہیں تھا جو بلال کی بغل میں چھپ جاتا۔"

اسی طرح آپ کا فرمان ہے کہ:

"ہم گروہِ انبیاء آزمائش و ابتلاء کے اعتبار سے اور لوگوں سے زیادہ سخت ہیں، پھر اسی طرح درجہ بدرجہ!"

ایک اور حدیث میں آپ کا ارشاد ہے:

"میں تم سب سے زیادہ عارف باللہ ہوں لیکن سب سے زیادہ اس سے ڈرتا ہوں۔"

دیکھیے یہاں محبوب و مراد کس طرح آزمائش و ابتلا اور خوف کی حالت میں ہے، ظاہر بات ہے کہ یہ سب کچھ جنت کے بلند ترین مراتب کے حصول کی خاطر تھا جیسا کہ ہم اس کی طرف اشارہ کر آئے ہیں کہ جنت میں اعمال ہی کی بدولت مراتب و درجات عطا کیے جائیں گے، دنیا آخرت کی کھیتی ہے واضح رہے کہ احکام کی ادائیگی اور منہیات سے پرہیز کے بعد انبیاء اور اولیاء کے بہترین معمولات صبر و رضا اور ابتلاء و آزمائش میں تقدیر کی موافقت ہیں، آخر کار ابتلاء و آزمائش ان سے اٹھا لی جاتی ہے اور وہ ابدالآباد تک ناز و نعمت اور فضل و عنایت کی وجہ سے بارگاہِ الوہیت کی تجلیات کے مشاہدے میں مستغرق رہتے ہیں۔

(۲) بازار میں داخل ہونے کے آداب

دیندار اور متقی لوگوں میں سے جو نماز پنجگانہ اور جمعہ یا اپنی دوسری ضروریات کی بنا پر بازاروں میں نکلتے ہیں چند اقسام کے لوگ ہیں، ان میں سے بعض وہ لوگ ہیں جو بازار میں مختلف

شہوات اور لذات کے اسباب کو دیکھ کر ان میں پھنس جاتے ہیں، یہ چیزیں ان کے دلوں میں کھب جاتی ہیں اور اس فتنے میں مبتلا ہو کر خواہش اور پیروی نفس کا شکار ہو جاتے ہیں اور دین و عبادت کو چھوڑ کر اپنی بربادی کا سامان پیدا کر لیتے ہیں، ہاں یہ علیحدہ بات ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت و حفاظت کے صدقے انہیں ان سے باز رکھ لے تو البتہ وُہ بچ جاتے ہیں، اور بعض وُہ ہیں، جو ان لذات اور خواہشات کی وجہ سے قعرِ ہلاکت کے کنارے پہنچ جاتے ہیں لیکن اچانک اپنے عقل و شعور اور دین کی طرف لوٹ آتے ہیں اور بہ تکلف صبر کر کے ان لذائذ کے چھوڑنے کی تلخی برداشت کر لیتے ہیں، ان کی مثال مجاہدین کی سی ہے اللہ تعالیٰ اپنے نفس و طبعیت اور خواہش و شہوت پر جہاد طبعی کے ذریعے قابو پانے پر ان کی امداد کرتا ہے، بعض روایات میں آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ شہوت سے عاجزی کے وقت یا شہوت پر قدرت کے وقت دونوں صورتوں میں جب مومن اسے ترک کرتا ہے تو اس کے نامۂ اعمال میں کثرت سے نیکیاں لکھی جاتی ہیں، اور بعض ان لوگوں میں سے وُہ ہیں جو ان دنیاوی لذائذ کو حاصل کر کے انھیں استعمال میں لاتے ہیں اور دنیا و مال کی نعمتوں میں سے انھیں جو وسعت اور کشادگی نصیب ہوئی ہے اس پر شکرِ الٰہی بجا لاتے ہیں اور کچھ لوگ ان میں سے وُہ ہیں جو ان لذائذ کو خاطر میں لاتے ہیں اور نہ ان کی طرف کوئی التفات کرتے ہیں، ان کی آنکھیں ماسوی اللہ سے بند ہیں، اس کے علاوہ کوئی چیز ان کی نگاہ میں ہی نہیں ٹھہرتی، اور ان کے کان غیر اللہ سے بہرے ہیں، اس کے ماسوٰی سے وُہ کچھ سنتے ہی نہیں، ان کا اپنا ایک مشغلہ (دیدار یار) ہے، محبوب کے علاوہ کسی چیز کو دیکھنے اور چاہنے کی انھیں فرصت ہی کہاں ہے! جس چیز پر ایک دنیا لٹو ہے انھیں اس سے کوئی واسطہ نہیں، اگر توانھیں بازار میں گزرتا دیکھ کر پُوچھے کیا چیز دیکھی ہے؟ تو وہ یہی جواب دیں گے کہ ہم نے کچھ نہیں دیکھا، ہاں ہاں انھوں نے بازار کی چیزوں کو دیکھا ہے لیکن سر کی آنکھ سے، چشمِ دل سے نہیں، اتفاقاً نظر پڑی ہے خواہش سے نہیں دیکھا، صورت میں تو انھیں دیکھا لیکن حقیقت میں نہیں دیکھا، ظاہر میں دیکھا لیکن باطن میں نہیں دیکھا، بازار کے اسباب و سامان کو ظاہر سے دیکھتے ہیں مگر جمالِ الوہیت کا مشاہدہ تو وہ چشمِ حقیقت سے کر رہے ہوتے ہیں، وُہ ہیں کبھی اس کے جمال اور گاہے اس کے جلال کا نظارہ کرتے ہیں، اور بعض ان میں سے وُہ ہیں کہ جب بازار میں

داخل ہوتے ہیں تو اہل بازار کی چیزوں کی طرف التفات سے انھیں باز رکھتی ہے اور وہ بازار میں داخل ہونے کے وقت سے باہر نکلتے وقت تک ان کے لیے استغفار اور شفاعت کی دعا میں مشغول رہتے ہیں۔ ان کا دل ان کے نفع و نقصان پر کڑھتا ہے اور آنکھیں روتی ہیں، اور ان کی زبان حمد و ثنا میں مشغول رہتی ہے، پس یہی وہ لوگ ہیں جو مخلوق اور دنیا کے نگران ہیں، اور اگر تو چاہے تو انھیں عارف، ابدال، زاہد، عالم، غائب و حاضر، محبوب و مرادِ خدا، مخلوق اور دنیا کے خلیفہ، سفیرِ حق، شیریں بیان، ہادی، مہدی اور رہنما و مرشد، ایسے معزز القابات سے بھی یاد کر سکتا ہے، در اصل یہی لوگ کیمیائے اعظم، اور عقیق کے بیضے کی طرح نادر ہیں، ان پر اور اس راہ کے آخری مقام پر پہنچنے والے ہر سالک پر اللہ کی مہربانی و رحمت نازل ہو۔

(۷۴) اولیاء اللہ نباضِ فطرت ہیں

کبھی اللہ تعالیٰ اپنے ولی کو دوسروں کے عیوب، کذب، اقوال و افعال کے شرک، باطنی برائی اور نیت پر مطلع کر دیتا ہے اور وہ ولی اللہ اپنے رب، رسول اور دین کی وجہ سے غیرت کا مظاہرہ کرتے ہوئے سخت غضبناک ہو جاتا ہے، آخر اندرونی تکالیف اور بیماریوں کی موجودگی میں کس طرح ظاہر حال کو دیکھ کر تندرستی و سلامتی کا حکم لگایا جا سکتا ہے، اور شرک کی موجودگی میں توحید کا بے بنیاد دعویٰ کیونکر صحیح ہو سکتا ہے، شرک کفر اور قربِ خداوندی سے دوری کا باعث ہے، یہ تو شیطان لعین ایسے دشمن اور منافقوں کی صفت ہے جو ہمیشہ کے لیے دوزخ کے سب سے نچلے طبقے میں سڑتے رہیں گے، پھر اس کے بلند بانگ دعاوی، مقام صدیقیت پر فائز ہونے، مرادِ الٰہی ہونے، اور اس کی قدر و فعل میں فنائیت کا مرتبہ پانے والوں کی ہمسری کے جھوٹے دعووں کے سبب ولی کی زبان پر اس کے عیوب، افعالِ خبیثہ اور بے حیائی کا ذکر آجاتا ہے، اور کبھی یہ ذکر غیرت کی وجہ سے اور بسا اوقات اس کے انکار اور نصیحت کے لیے ہوتا ہے اور کبھی اس کذاب اور جھوٹے مدعی پر فعل و ارادہ اور غضب الٰہی کی شدت کے غالب ہونے کی بنا پر ہوتا ہے، چنانچہ اس ولی اللہ کی طرف بعض لوگ غیبت کا انتساب کر دیتے ہیں[1]، پھر کہتے ہیں کہ کیا ولی بھی غیبت

---

[1] مصری نسخے میں عبارت یوں ہے فیضاف الی اللہ عزوجل غیبۃ (العیاذ باللہ) یہ بالکل غلط ہے صحیح فیضاف الی ولی اللہ ہے۔

کرتا ہے، حالانکہ اس کا کام غیبت سے روکنا ہے! کیا کسی ولی اللہ کے لیے مناسب ہے کہ وہ کسی حاضر یا غائب کو ایسی برائی کے ساتھ جو عام و خاص پر ظاہر نہیں، یاد کرے؛ خیال رہے کہ ان لوگوں کی یہ بات اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کے ضمن میں آتی ہے،

واثمھما اکبر من نفعھما[1]

(اور ان کا گناہ ان کے نفع سے بڑا ہے)

اگرچہ بظاہر یہ ایک ولی پر نکیر ہے، لیکن دراصل اللہ تعالیٰ کی ناراضی کا باعث اور اس پر اعتراض ہے، اور منکر کا حال حیرت کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ ان حالات میں منکر کے لیے سکوت اختیار کرنا، تسلیم کرنا اور شرع میں اس کی تاویل تلاش کرنا ضروری ہے نہ یہ کہ وہ جھوٹے دعاوی کے مدعی پر طعن کرنے والے ولی پر اعتراض کر کے بالواسطہ اللہ تعالیٰ پر معترض بن بیٹھے، اور کبھی ولی کا کسی شخص کے بارے میں ایسا ذکر اس کی برائی کی بیخ کنی، توبہ کی طرف رغبت دلانے، اور اسے جہل و حیرت کی وادیوں سے نکالنے کے لیے ہوتا ہے اور یہ متکبر کے غرور اور سرکشی سے ہلاک ہونے والے کے فائدے اور نفع کے لیے اللہ کی طرف سے تنبیہ ثابت ہوتی ہے، اور اللہ جسے چاہتا ہے راہِ مستقیم کی طرف ہدایت کرتا ہے۔

(۴۷) کائنات کی ہر شئے توحیدِ خداوندی پر دلیل ہے

عقلمند آدمی کو چاہیے کہ پہلے اپنے وجود اور اس کی ترکیب پر غور کرے پھر جمیع مخلوقات اور موجودات پر نگاہ ڈالے اور ان سے ان کے خالق اور عدم سے وجود بخشنے والے پر دلائل پکڑے کیونکہ ہر صنعت صانع کی متقاضی فاعل کی حکمت اور مضبوط قدرت کی نشانی ہے تمام اشیاء اس کی صنعت سے موجود ہیں، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اللہ تعالیٰ کے فرمان وسخر لکم ما فی السمٰوٰت وما فی الارض جمیعاً منہ[2] (اور تمہارے کام میں لگائے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمینوں میں ہے) کی تفسیر میں جو کچھ فرمایا ہے اس سے مراد بھی یہی ہے

---

[1] البقرہ: ۲۱۹ [2] جاثیہ: ۱۳

آپ نے فرمایا کہ:

"ہر چیز میں اسمائے الٰہی میں سے ایک اسم ہے اور ہر چیز کا نام اسمائے الٰہی میں سے کسی نہ کسی اسم کا مظہر ہے، پھر تو اسماء و صفات اور افعالِ حق کے درمیان ہے وُہ اپنی قدرت سے پوشیدہ اور اپنی حکمت سے ظاہر ہے، اپنی صفات کے ذریعے تو وہ عیاں ہے لیکن ذات کے اعتبار سے باطن ہے اس نے اپنی ذات کو صفات کا اور صفات کو افعال کا حجاب دے رکھا ہے، اور علم کو ارادے اور ارادے کو حرکات کے ساتھ ظاہر کرتا ہے، اپنے کمال اور صنعت کو مخفی کر رکھا ہے، بلکہ صنعت کو ارادے سے ظاہر کرتا ہے اور وُہ اپنے غیب میں باطن اور اپنی حکمت و قدرت میں ظاہر ہے، کوئی شے اس کی مثال نہیں وہ سمیع و بصیر ہے۔"

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اپنی اس بات میں معرفت کے وہ اسرار و رموز بیان کیے ہیں جو صرف انہی سینوں میں محفوظ ہوتے ہیں جو نورِ توحید کا مہبط ہونے کی وجہ سے جگمگ جگمگ کر رہے ہیں، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کو یہ مقام اس لیے ملا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ مبارک ان کے لیے بلند ہوئے تھے کہ اے اللہ! اسے دین کی سمجھ عطا کر! اور اسے تاویل (تفسیر) کا علم عطا کر! اللہ تعالیٰ ہمیں ان کی برکات سے مستفید فرمائے، اور اس مبارک گروہ میں شامل کرے۔

(۷۵) حقیقتِ فقر و تصوف

میں تجھے وصیت کرتا ہوں کہ اللہ سے ڈر! اس کی فرمانبرداری اختیار کر! ظاہر شرع کی پابندی کر! سینے کو پاک اور چہرہ تر و تازہ اور مسرور رکھ! ضروری امور بجا لا اور ضرر رساں باتوں سے پرہیز کر! فقر و فاقہ اور تکالیف برداشت کر! بزرگوں کی عزت و احترام کا خیال رکھ! بھائیوں کے ساتھ حسنِ سلوک اور اپنے سے کم عمر والوں کے ساتھ خیر خواہی و نصیحت کے جذبے سے پیش آ! دنیوی امور میں جھگڑا اور لالچ چھوڑ دے اور قربانی و ایثار کا جذبہ اپنا! کسی بھی چیز

ذخیرہ اندوزی سے بچ! جو لوگ گروہِ اصفیاءؑ سے دُور رہیں ان کی صحبت و مجالست سے پرہیز کر! اور دین و دنیا کے امور میں تعاون کا جذبہ اختیار کر! اور فقر کی حقیقت یہ ہے کہ اپنے ہم مثل لوگوں کے سامنے دستِ ضرورت دراز نہ کرے اور تونگری کی اصلیت یہ ہے کہ اپنے ایسوں سے بے نیاز[1] ہو جائے تصوف خالی قیل و قال سے نہیں بلکہ بھوک اور نفس کی پسندیدہ اشیاء کے ترک کرنے سے حاصل ہوتا ہے، فقیر کے ساتھ پہلے پہل علم سے نہیں بلکہ نرمی و محبت سے پیش آنا چاہئے! کیونکہ علم اسے وحشت و نفرت دلائے گا اور نرمی محبّت و الفت! واضح رہے کہ تصوف کی بنا آٹھ خصلتوں پر ہے۔ سخاوت[1] حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرح، رضا[2] حضرت اسحٰق علیہ السلام کی طرح، صبر[3] حضرت ایوب علیہ السلام کی طرح، مناجات[4] حضرت زکریا علیہ السلام کی طرح، سیر و سفر[5] حضرت یحیٰی علیہ السلام کی طرح، لباسِ[6] صوف حضرت موسٰی علیہ السلام کی طرح، سیاحت[7] حضرت عیسٰی علیہ السلام کی طرح، فقر[8] ہمارے آقا و مولیٰ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح، ان سب پر سلام ہوں۔

(۷۶) وصیّتِ غوثیہ

میں تجھے وصیت کرتا ہوں کہ اُمراء سے باوقار طریقے سے مل! اور فقراء کی بارگاہ میں عاجزی سے حاضر ہو، اور تواضع اور خلوص اختیار کر! خلوص وُہ اعلیٰ صفت ہے جس پر ہر وقت خالق کی نگاہِ عنایت ہے، اسباب میں اللہ پر تہمت نہ لگا، اپنے تمام حالات میں اسی کی ذات سے سکون و اطمینان کی دولت طلب کر! اپنے بھائی کے حقوق اس بنا پر کہ اس کے اور تیرے درمیان یک جہتی سے پامال نہ کر، فقراء کی صحبت تواضع، حُسنِ ادب اور سخاوت سے اختیار کر، اپنے نفس کو مار کر حیاتِ حقیقی حاصل کر! وسیع الاخلاق شخص اللہ سے بہت زیادہ نزدیک ہوتا ہے اور سب سے اچھا عمل اپنے باطن کو غیر اللہ کی طرف التفات کرنے سے بچانا ہے،

---

[1] لاہوری نسخے کی عبارت یوں ہے ان تستغنی عما ھو مثلک جبکہ مصری نسخے میں ان تستغنی عمن ھو مثلک ہے ہم نے موخر الذکر کو ترجیح دی ہے۔

لوگوں کو حق اور صبر کی وصیت[1] کر اور تیرے لیے فقیر کی صحبت اور ولی کی خدمت ہی کافی ہے ، اور فقیر وُہ ہے جو اللہ کے علاوہ ہر شے سے بے نیاز ہے ، اپنے سے کم علم والے پر حملہ کرنا نامردی' اپنے برابر والے پر بد خُلقی اور اپنے سے بڑے[2] پر بے شرمی ہے ۔

فقر و تصوف جد و جہد کا نام ہے اس میں کسی بیہودہ چیز کی آمیزش نہ کر ! اللہ ہمیں اور تجھے اس کی توفیق ارزانی کرے ، اے ولی ! ہر حال میں تیرے لیے ذکر الٰہی لازم ہے کیونکہ ذکر تمام نیکیوں کا جامع ہے ، اللہ کے عہد و پیمان کی رسّی مضبوطی سے پکڑ ! کیونکہ ہر ضرر رساں چیز کا دافع وہی ہے تجھے قضا و قدر کے ہر فیصلے کے لیے تیار رہنا چاہیے ، کیونکہ یہ واقع ہو کر رہیں گے ، اور واضح رہے کہ تیری تمام حرکات و سکنات کی پُرسش ہو گی ، لہذا وقت کی مناسبت سے اچھے امور کی بجا آوری میں مشغول رہ ! اپنے اعضاء و جوارح کو فضول کاموں سے بچا ! اللہ و رسول اور حاکم (شرع) کی اطاعت کر ! حاکم وقت کے حقوق کی نگہبانی کر ! اور اپنے اس پر چھوڑ دے ان کا مطالبہ نہ کر ! اور ہر حال میں اس کے لیے دُعا کر ۔

مسلمانوں کے بارے میں اپنی نیت صاف اور گمان نیک رکھ ! اور ان کے لیے ہر ممکن بھلائی اور بہتری اختیار کر ! اپنی رات اس حال میں نہ گزار کہ تیرے دل میں کسی کی بُرائی یا کینہ و دشمنی بھری ہُوئی ہو ، جو تجھ پر زیادتی کرے اس کے حق میں دُعائے خیر کر ! اپنا دھیان ہر آن اللہ کی طرف رکھ ! رزق حلال فرض شریعت و طریقت ہے جس چیز کے متعلق تجھے علم نہیں وہ اس راہ کے علمائے سے حاصل کر ! اللہ سے حیا و شرم کر ! اللہ کی صحبت اختیار کر ! اور غیر اللہ سے صحبتِ الٰہی کی رعایت سے مل ! اپنی صبح کا آغاز صدقہ و خیرات سے کر ! اور اپنی ہر شام اس روز فوت ہونے والے مسلمانوں کی نمازِ جنازہ میں گزار ، نمازِ مغرب کے بعد نمازِ استخارہ ادا کر ! اور صبح و شام سات مرتبہ اس دعا کا ورد رکھ :

اللّٰھمّ اجرنا من النّار ۔

---

[1] مصری نسخے میں علیک بالحق ہے جبکہ لاہوری نسخے میں علیک بالتواصی بالحق والصبر ہے ۔

[2] مصری نسخے میں وعلی من ھو فوقک فخر ہے جو بالکل غلط ہے ۔

اور قرآن مجید کی یہ آیات اپنا وظیفہ بنا :

اعوذ باللہ العلیم من الشیطان الرجیم۔ ھو اللہ الذی لا الہ الا ھو

عالم الغیب والشھادۃ ھو الرحمٰن الرحیم (آخر سورت تک)

اللہ ہی توفیق دینے والا اور مددگار ہے کیونکہ ساری قوت و طاقت خدائے بزرگ و برتر ہی کی ذات سے عطا ہوتی ہے۔

(۷۷) تعلق باللہ اور تعلق بالخلق

اللہ کا اس طرح ہو جا گویا مخلوق موجود ہی نہیں اور مخلوق کے ساتھ یوں رہ گویا نفس ہے ہی نہیں، جب تو مخلوق کا حجاب اٹھا کر اللہ کی طرف بڑھے گا، تو اسے پالے گا، اور دُوسری کل موجودات سے بے نیاز ہو جائے گا، اور جب نفس کے بغیر مخلوق کے ساتھ رہے گا تو عدل و تقویٰ کرے گا، اور ہر قسم کی تکلیفوں سے محفوظ رہے گا، ان تمام کو دروازے پر چھوڑ کر اپنی خلوت گاہ میں تنہا داخل ہو، پس خلوت ہی میں چشم حقیقت سے تجھے اپنے مونس کا دیدار، اور موجودات کے ماسوٰی کا مشاہدہ ہوگا، نفس ختم ہو جائے گا، اور اس کی جگہ قُربِ خداوندی اور امر الٰہی نصیب ہوگا۔ اس وقت تیرا جہل علم، تیرا بُعد قُرب، تیری خاموشی ذکر، اور تیری وحشت موانست میں بدل جائے گی، اے سالکِ طریقت! مقام عبودیت میں خالق اور مخلوق کے سوا کچھ نہیں ہے۔ اگر تو خالق کو پسند کرتا ہے تو اعلان کر دے کہ پروردگار عالم کے علاوہ باقی سب میرے دشمن ہیں، جس نے اُسے چکھا اس نے جانا، کسی نے پُوچھا حضور! جس پر صفرا کی تلخی غالب ہے وہ شیرینی کا ذائقہ کیونکر پا سکتا ہے؟ فرمایا: بہ تکلف و قصد خواہشات کے مٹانے اور ختم کرنے کا عمل کرے، اے سالکِ مسالکِ حقیقت! مومن جب نیک عمل کرتا ہے تو اس کا نفس قلب کے حکم میں ہو جاتا ہے اور نفس قلب کے معارف جان لیتا ہے، پھر قلب اس کا سِتر ہو جاتا ہے اور سِتر دوسرے حال کی طرف لوٹ جاتا ہے فنا بقا بن جاتی ہے۔

اس کے بعد آپ (حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ) نے فرمایا دوستوں کے لیے ہر دروازے میں پذیرائی ہے فنا مخلوق کو نیست کر دینا اور اپنی طبعیت کو ملائکہ کی خاصیت سے

بدل دیتا ہے، پھر خاصیتِ ملائکہ سے فنا ہو کر پہلی حالت پر آجاتا ہے، اس وقت اللہ تعالیٰ شرابِ معرفت سے حسبِ منشا، سیراب کرتا ہے، اور جس قدر چاہتا ہے تجھ میں انوار و رحمت پیدا کر دیتا ہے، اگر تو یہ مقام و مرتبہ چاہتا ہے تو تیرے لیے (عملی طور پر) مسلمان ہونا قضا و قدر کا ماننا، اللہ کو جاننا اور اس کا عرفان حاصل کرنا اور ذاتِ حق کے ساتھ موجود رہنا ضروری ہے جب تیرا وجود ذاتِ حق میں فنا ہو جائے گا تو تیرا سب کچھ اسی کے لیے ہوگا، زُہد ایک گھڑی اور تقویٰ دو ساعتوں کا کام ہے لیکن معرفتِ الٰہی تو ایک ابدی حقیقت ہے۔

(۷۸) طریقت کے اصولِ عشرہ

اہل مجاہدہ و محاسبہ[1] اور اولوالعزم لوگوں کی دس معروف خصلتیں ہیں، جن پر وُہ ہمیشہ عمل کرتے ہیں، جب اللہ کے حکم سے وُہ انہیں مضبوطی سے قائم کر لیتے ہیں، تو بلند مراتب پر پہنچ جاتے ہیں، پہلی خصلت یہ ہے کہ انسان عمداً یا سہواً جھُوٹ سچ پر اللہ کی قسم نہ اٹھائے جب یہ بات اس کی طبیعت میں راسخ ہو جائے گی اور اپنی زبان کو عادی بنالے گا تو سہواً قصداً قسم کھانے سے محفوظ ہو جائے گا، جب اسے اپنی عادتِ ثانیہ بنالے گا تو اللہ تعالیٰ اپنے انوار و تجلیات میں سے اس کے لیے ایک دروازہ کھول دے گا، اور وُہ اپنے دل میں اس کے فائدے کا احساس کرنے لگتا ہے، اپنے عزم اور صبر میں ثبات اور پُختگی اور مقام و مرتبے کی رفعت کا احساس کرتا ہے، اپنے بھائیوں اور پڑوسیوں میں عزت اور تعظیم کی نگاہ سے دیکھا جائے گا، جو اسے پہچان لے گا وُہ اس کی بزرگی کا معترف اور اس کا متبع بن جائے گا، اور جو اسے دیکھے وُہ ڈرے گا! دُوسری خصلت یہ ہے کہ قصداً یا مذاقاً جھُوٹ سے بچے، اس لیے کہ جب جھُوٹ سے بچے گا اور اس صفت کو اپنی ذات و زبان میں مضبوط کرلے گا تو اللہ اس کا سینہ کھول دے گا، اور اسے وہ نورِ علم عطا کرے گا جس کے ذریعے وہ اس مقام پر پہنچ جائے گا جیسے جھُوٹ کو جانتا ہی نہیں اور جب دُوسروں سے جھُوٹ سُنے گا تو معیوب سمجھے گا اور اسے

---

[1] لاہوری نسخے میں لاجل المجاھدۃ والمحاسبۃ ہے۔

دل میں انتہائی بُرا جانے گا، اور اس کے لیے اس بُری عادت سے بچنے کی دُعا کر کے ثواب کا مستحق بنے گا، تیسری صفت یہ ہے کہ پہلے کسی چیز کا وعدہ نہ کرے، اور اگر کر چکا ہے تو وعدہ خلافی ہرگز نہ ہو، کیونکہ اس کے لیے سلامتی اور میانہ روی کا راستہ یہی ہے، واضح رہے کہ وعدہ خلافی بھی جھوٹ ہی کی قسم ہے، اگر وہ وعدہ خلافی سے اپنے آپ کو بچائے گا تو اس کے لیے سخاوت کا دروازہ کھول دیا جائے گا، مقامِ حیا پر اسے فائز کیا جائے گا، گروہِ صادقین میں اس کی محبت پیدا ہوگی اور بارگاہِ خداوندی میں بلند مراتب کا مستحق بنے گا، چوتھی خصلت یہ ہے کہ مخلوق میں سے کسی چیز پر لعنت نہ کرے اور نہ کسی کو معمولی سی ایذا پہنچائے، یہ صفت ابرار اور صدیقین کے اخلاق میں سے ہے اور دنیا میں حفاظتِ الٰہی میں رہنے کی وجہ سے اس کے لیے بلند مراتب اور درجات کی حسنِ عاقبت ہے اسے ہلاکت سے بچاتا ہے اور مخلوق سے اس کی حفاظت کرتا ہے، اسے اپنا قرب اور اپنی مخلوق پر شفقت و رحمت کی دولت عطا کرتا ہے، پانچویں خصلت یہ ہے کہ کسی مخلوق پر بددعا کرنے سے پرہیز کرے، اگرچہ اس نے زیادتی کا ارتکاب کیا ہو، اپنی زبان اور فعل سے اس کے کردار کا بدلہ نہ لے، اور اللہ کے لیے سب کچھ برداشت کرلے، یہ خصلت بلند مراتب کے حصول کا باعث بنتی ہے جب انسان اس پر کاربند ہو جاتا ہے تو دنیا و آخرت میں بلند مقام، ساری مخلوق میں مقبولیت اور محبت و دوستی، اجابتِ دُعا، بھلائی اور بہتری میں سبقت، اور مسلمانوں کے دلوں میں دنیاوی عزت و احترام حاصل کر لیتا ہے، چھٹی خصلت یہ ہے کہ اہلِ قبلہ میں سے کسی شخص پر حتمی طور پر کفر و شرک یا نفاق کا فتوٰی نہ لگائے، یہ خصلت بذاتِ خود بہت اعلیٰ اور رحمتِ خداوندی سے قریب ہے، اور اتباعِ سنّت میں کمال کی دلیل ہے، علم الٰہی میں دخل اندازی سے اجتناب، غضبِ الٰہی سے بچاؤ اور رحمت و رضامندیِ مولیٰ کا باعث ہے اللہ کے ہاں یہ ایک بہت بلند اور بڑا دروازہ ہے اور اس کے سبب بندہ مومن کو ساری مخلوق کے ساتھ مہر و محبت کا جذبہ عطا ہوتا ہے، ساتویں خصلت یہ ہے کہ ظاہری اور باطنی طور پر اسباب گناہ سے دُور رہے، اور اپنے اعضا و جوارح کو گناہوں سے بچائے کیونکہ اس عمل کے طفیل مومن کے قلب و اعضا اس دنیا میں نیکی اور ثواب کے عادی بن جاتے ہیں اور آخرت میں اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے جو اجر مقرر کر رکھا ہے اس کا حقدار بن جاتا ہے، ہم اللہ سے دُعا کرتے ہیں کہ ان اوصافِ حمیدہ پر عمل کی توفیق ارزانی کرے، اور خواہشاتِ نفس ہمارے دلوں سے

مٹا دے! آٹھویں خصلت یہ ہے کہ مخلوق میں سے کسی شخص پر تھوڑا یا زیادہ کسی قسم کا کوئی بار نہ ڈالے بلکہ مخلوق سے اپنی تمام ضروریات اٹھالے، متقی اور عابد حضرات کے لیے یہ کمالِ شرافت اور اعزاز ہے، اسی فضیلت کے باعث انسان امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ صحیح طور پر انجام دے سکتا ہے، اور اس مقام پر ساری مخلوق اس کے لیے برابر ہوجاتی ہے، جب مومن یہ مرتبہ حاصل کرلیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے غنا و یقین اور اپنی ذات پر توکل ایسی نعمتیں عطا فرماتا ہے اور اللہ کسی کو خواہشاتِ نفس کی پیروی کے سبب بلند نہیں کرتا، یہ بات یقینی ہے کہ یہ دروازہ تمام مومنوں کی عزت متقیوں کی فضیلت کا باعث اور اخلاص سے بہت نزدیک ہے، نویں خصلت یہ ہے کہ ہر مومن مخلوق سے کسی قسم کا طمع نہ رکھے، اور جو چیزیں مخلوق کے پاس ہیں ان کی تمنا و آرزو نہ کرے، بلاشبہ یہ مقام بہت بڑے اعزاز، استغنا، بادشاہی، یقین کامل اور توکل عظیم کا حامل ہے اور یہ زہد کے دروازوں میں سے اللہ پر اعتماد رکھنے کا ایک بڑا دروازہ ہے جہاں پرہیزگاری اور کامل عبادت نصیب ہوتی ہے اور یہ اللہ والوں کی نشانی ہے، دسویں خصلت تواضع ہے تواضع ہی سے عابد کا محل بلند اور مرتبہ بڑھایا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ اور مخلوق کے ہاں اسے عزت اور رفعت نصیب ہوتی ہے، اور دنیا و آخرت کی ہر وہ چیز جو وہ پسند کرتا ہے اسے عطا کی جاتی ہے، شجر عبادات کی جڑ، شاخ اور ٹہنیاں تواضع ہی ہے اس کی بدولت بندہ خوشی و تکلیف میں راضی رہنے والوں کا مرتبہ حاصل کرتا ہے، اور تواضع ہی کمالِ تقویٰ ہے، اور تواضع یہ ہے کہ بندہ جس شخص سے ملے اسے اپنے آپ سے بہتر سمجھے اور یہ سوچے کہ ممکن ہے یہ شخص اللہ کے ہاں مقام و مرتبے میں مجھ سے زیادہ بلند ہو، جو شخص اسے ملتا ہے اگر وہ عمر میں اس سے بڑا ہے تو سمجھے کہ اس نے مجھ سے پہلے اللہ کی عبادت کی ہے اگر وہ عالم ہے تو کہے کہ اسے وہ چیز عطا ہوئی ہے جو مجھے نہیں ملی، اس نے وہ چیز حاصل کی ہے جس سے میں محروم ہوں، وہ وہ چیز جانتا ہے جو میں نہیں جانتا، طرّہ یہ کہ وہ عالم باعمل ہے، اور اگر وہ جاہل ہے تو اس بات کا خیال کرے کہ اس نے جہالت اور نادانی کی بنا پر اللہ کی نافرمانی کی ہے، مگر میں تو علم کے ہوتے ہوئے جان بوجھ کر گناہوں کا ارتکاب کر رہا ہوں، اور مجھے معلوم نہیں کہ ہم دونوں میں سے کس کا خاتمہ کیا ہوگا؟ اور اگر وہ کافر ہے تو کہے کہ میں نہیں جانتا شاید یہ مسلمان ہوجائے

اور نیک اعمال پر اس کا خاتمہ ہو اور ممکن ہے کہ میں کافر ہو جاؤں اور میرا خاتمہ بالخیر نہ ہو (معاذ اللہ) یہ دروازہ شفقت اور اپنے نفس پر خوف کا ہے، مناسب ہے کہ اس پر مداومت کی جائے، اور یہی وُہ آخری چیز ہے جو بندوں پر باقی رہے گی، جب بندہ اس مقام پر پہنچ جائے گا تو اللہ تعالیٰ اسے ہر قسم کی آفتوں سے محفوظ رکھے گا، اور بندہ بارگاہِ الوہیت کی صحبت نشینی کا شرف حاصل کر کے مقبول و منظور بارگاہ ہو جائے گا اور راندۂ بارگاہ شیطانِ مردود کا دشمن بن جائے گا، یہ درِ رحمت ہے اور اسی کے ساتھ کبر کا دروازہ بند ہو جائے گا، خود پسندی کی رسیاں کٹ جائیں گی اور دین کے علاوہ دنیا و آخرت میں نفس سے ہر قسم کا غرور اور نخوت نکل جائے گی، یہ جانِ عبادت ہے زاہدوں کی فضیلت اور عابدین کی علامت ہے، کوئی دوسری چیز اس سے بہتر نہیں، اس کے ساتھ ہی انسان جہان دنیا کی بے فائدہ اور فضول باتوں سے اجتناب کرے، اس کے بغیر اس کا کوئی عمل مکمل نہیں ہوگا، یہ عمل اس کے دل سے کینہ و کبر اور ہر قسم کے افراط کو نکال دیتا ہے اور اس کی زبان اور ارادہ ظاہر و باطن میں متحد ہو جاتے ہیں، نصیحت کے معاملے میں مخلوق اس کے لیے برابر ہو جاتی ہے، وہ کسی شخص کو نا معقول طریق پر نصیحت کرتا ہے اور نہ کسی کے فعل پر مصلحت کے خلاف سرزنش کرتا ہے، اگر اس کے سامنے کسی کی بُرائی بیان کی جائے تو وُہ رنجیدہ خاطر ہوتا ہے۔ غیر معقول طریقے سے نصیحت کسی کی بُرائی اور کبر و غرور وہ باتیں ہیں، جو عابدوں کے لیے آفت اور زاہدوں کے لیے باعث ہلاکت ہیں مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمتِ کاملہ سے کسی کے قلب و زبان کو بچا لے!

(۷۹) آخری حکمت آمیز نصیحتیں

مرضِ وصال میں آپ کے صاحبزادے شیخ عبدالوہاب قدس سرہٗ نے عرض کی میرے آقا! مجھے ایسی وصیت کیجیے جس پر آپ کے بعد میں عمل کروں گا، آپ نے فرمایا:

• اللہ سے ڈرو! اللہ کے سوا کسی کا خوف کرو اور نہ کسی سے اپنی کوئی امید وابستہ رکھو! اپنے تمام امور اسی کو سونپ دو! اللہ کے سوا کسی پر بھروسہ نہ کرو، اپنی تمام حاجتیں اسی سے طلب کرو! اور ذات باری کے علاوہ

کسی پر کامل اعتماد نہ کرو! توحید کی حفاظت کرو! توحید متفق علیہ مسئلہ ہے۔"

اس کے بعد آپ نے فرمایا:

"جب دل اللہ تعالیٰ کے ساتھ صحیح تعلق قائم کر لیتا ہے، تو اس سے کوئی شے خالی اور جدا نہیں ہوتی۔"

پھر آپ نے فرمایا: "میں مغز بے پوست ہوں۔"

پھر آپ نے اپنی اولاد سے ارشاد فرمایا:

"مجھ سے پرے ہٹ جاؤ! ظاہر تو میں تمہارے ساتھ ہوں لیکن باطن میں کسی دوسرے کی آغوشِ رحمت میں ہوں۔"

اس کے بعد ارشاد ہوا:

"تمہارے علاوہ میرے پاس کچھ اور لوگ آئے ہیں، انہیں جگہ دو! اور ان کا ادب کرو! اس جگہ بڑی رحمت ہے، ان پر جگہ تنگ نہ کرو!"

اس کے بعد آپ وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، غفر اللہ لی ولکم وتاب اللہ علی وعلیکم بسم اللہ غیر مودعین (تم پر اللہ کی سلامتی اور رحمت وبرکت نازل ہو، اور اللہ ہماری تمہاری مغفرت فرمائے اور متوجہ ہو، بسم اللہ بلا رخصت کیے ہوئے آئے) کا پورا ایک شب و روز ورد کرتے رہے!

(۸۰) وصالِ مبارک

پھر فرمایا:

"مجھے کسی شے، فرشتے اور ملک الموت کا خوف نہیں! اے ملک الموت! تیرے سوا جس نے ہمیں دوست بنایا، اس نے ہمیں عطا کیا۔"

اس کے بعد آپ نے بلند آواز سے ایک نعرہ لگایا، یہ اس دن کا واقعہ ہے جس کی شام کو آپ نے وصال فرمایا، ہمیں آپ کے صاحبزادگان شیخ عبدالرزاقؒ اور شیخ موسیٰؒ نے بتایا کہ آپ اپنے دونوں ہاتھوں کو اٹھاتے اور دراز فرماتے تھے اور فرماتے تھے: وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، توبہ کرو! اور صف (اصفیا) میں داخل ہو جاؤ، اب میں تمہاری طرف آتا ہوں

اور فرماتے تھے: ٹھہرو! اس کے بعد آپ پر وصال کے آثار نمودار ہونا شروع ہو گئے۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا:

"میرے اور تمہارے اور تمام مخلوق کے درمیان زمین و آسمان کا فرق ہے مجھے کسی پر قیاس کرو اور نہ کسی کو مجھ پر۔"

آپ کے صاحبزادے عبدالعزیزؒ نے آپ سے درد و تکلیف کا حال پوچھا، آپ نے فرمایا:

"مجھ سے کوئی شخص کچھ نہ پوچھے میں علم الٰہی میں ایک حال سے دوسرے حال کی طرف پلٹا جا رہا ہوں۔"

راوی کا بیان ہے کہ اس کے بعد آپ کے صاحبزادے شیخ عبدالعزیزؒ نے آپ سے مرض کے متعلق سوال کیا، آپ نے فرمایا جنات، انسانوں اور فرشتوں میں سے کوئی میرا مرض جانتا ہے اور نہ سمجھتا ہے اللہ کے حکم سے اللہ کا علم نہیں بدلتا، حکم تبدیل ہوتا ہے علم تبدیل نہیں ہوتا، حکم منسوخ ہوتا ہے علم منسوخ نہیں ہوتا، یمحوا اللّٰہ ما یشاء و یثبت وعندہٗ ام الکتاب ولا یسئل عما یفعل وھم یسئلون[1] (اللہ جو چاہے مٹاتا اور ثابت کرتا ہے اور اصل لکھا ہوا اسی کے پاس ہے) صفات کے بارے میں جس طرح بتایا گیا ہے وہ جاری ہو کر رہیں گی۔

آپ کے صاحبزادے عبدالجبارؒ نے دریافت کیا کہ جسم کے کون سے حصے میں زیادہ تکلیف محسوس ہوتی ہے؟ فرمایا: "میرے دل کے بغیر جو اللہ کے ساتھ شاغل ہے، سب اعضاء مجھے تکلیف دے رہے ہیں۔" اس کے بعد وصال بہت قریب آگیا۔

اس وقت آپ یہ الفاظ دہرا رہے تھے:

استعنت بلا الٰہ الا اللّٰہ سبحانہٗ وتعالیٰ والحی الذی لا یخشی الفوت سبحان من تعزز بالقدرۃ وقہر العباد بالموت لا الٰہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ۔

---

[1] الرعد: ۳۹

(میں لا الٰہ الا اللہ کے ساتھ اُس ذات سرمدی سے مدد چاہتا ہُوں جسے موت کا کوئی خوف نہیں، پاک ہے وُہ ذات جو اپنی قدرت کے ساتھ غالب ہے اور جس نے بندوں کو موت سے مغلوب کر رکھا ہے لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ)

ہمیں آپ کے صاحبزادے شیخ موسیٰؒ نے بتایا کہ وصال کے وقت آپ کی زبان مبارک لفظ تعزز کا صحیح تلفظ ادا نہیں کر سکتی تھی، آپ بار بار یہ لفظ ادا کرنے کی کوشش کرنے لگے بالآخر اسے ادا فرما لیا، البتہ ذرا کھینچ کر اور لمبا کر کے زبان مبارک سے اس لفظ کا صحیح تلفظ فرمایا پھر فرمایا اللہ، اللہ، اللہ، اس کے بعد آواز نرم ہوگئی اور زبان مبارک تالُو سے مل گئی اور یہ شہبازِ قدس اپنی منزل کی طرف پرواز کر گیا، رضوان اللہ علیہ۔ اللہ تعالیٰ ہمیں آپ کی برکات سے مستفید ہونے کی توفیق ارزانی کرے۔

ترجمہ ختم ہُوا

کتبہٗ: محمد شریف گل